علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم

طلوعِ اسلام

جولائی ۱۹۴۰ء

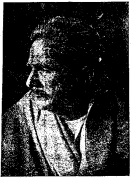

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ!

طلوعِ اسلام

دہلی

(دورِ جدید)

بدل اشتراک	مرتب
پانچروپیہ سالانہ ششماہی ۳ روپے	(اخوند زادہ) حسین امام
جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۴۰ء	جلد (۳) شمارہ ۷

فہرست مضامین

۱- لمعات	ادارہ	1-7
۲- ابلیس کا پیغام اپنے ہندی مریدوں کے نام	از جناب محمد شریف صاحب چشتی ایم اے	8-9
۳- اقبال اور ملّت	جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز	10-20
۴- تنقید و تبصرہ	ادارہ	21-24
۵- حقائق و عبر	ادارہ	25-32
۶- تازیانۂ عبرت	شمس العلماء حافظ محب الحق صاحب	33-60
۷- سلیم کے نام چوتھا خط	جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز	61-70
۸- ۲۰۰۰ء کے مورخ کی ڈائری کا ایک ورق	ابوالبصیر مورخ ہندی	71-80

لمعات

دنیا میں آپ کو ہمیشہ تین قسم کے لوگ ملیں گے۔ ایک وہ جو کسی نصب العین پر بہ خلوص قلب یقین رکھتے ہیں۔ یہ اخلاص وادعان ان کے اندر اس نصب العین کے حصول کے لئے ایک عزم راسخ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے بعد ان کی سعیٔ پیہم ان کا ہر قدم اس نصب العین سے قریب تر لائے جاتی ہیں۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس نصب العین کی حقانیت و صداقت سے علانیہ انکار کر کے یا تو اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یا کھلے بندوں اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ انکار و جحود کا مسلک ہے اور پہلے مسلک کی طرح اس میں بھی جو کچھ ہوتا ہے صاف صاف ہوتا ہے۔

لیکن ان کے بین بین ایک تیسرا گروہ ہوتا ہے جس کے دل میں نہ تو اس نصب العین کی صداقت و حقانیت پر ایمان ہوتا ہے۔ لیکن نہ اتنی جرأت کہ وہ اس سے علانیہ انکار کر کے اس گروہ سے الگ ہو جائیں جو اس نصب العین پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ لوگ کسی اصول کے پیرو نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے اپنی ذاتی مصلحتیں ہوتی ہیں اور ان مصلحتوں کا حصول ان کا ایمان ہوتا ہے۔

پہلا گروہ کھلے بندوں کا گروہ ہوتا ہے اس لئے اس کے ہر قول و فعل سے دنیا واقف ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ گروہ کیا چاہتا ہے اور کیوں چاہتا ہے۔

دوسرا گروہ بھی اپنے طرزِ عمل میں واضح اور بین ہوتا ہے اور اس سے بھی کوئی شخص دھوکا نہیں کھا سکتا۔ لیکن یہ تیسرا گروہ! اُف یہ تیسرا گروہ! ایک تپ دق ہے جو قوم کے مغز استخواں تک کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ لیکن دھواں تک نہیں نکلنے دیتا۔ ایک مصیبت یہ ہوتی ہے کہ یہ گروہ مخالفین کے گروہ کی طرح الگ تھلگ نہیں رہتا بلکہ یوں ملا جلا رہتا ہے کہ سطحی نگاہوں سے پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔

یاد رکھئے۔ کوئی جماعت نہ اپنی عددی قلت کے باعث تباہ ہوتی ہے نہ اسباب و ذرائع کی کمی کی وجہ سے وہ اگر تباہ ہوتی ہے تو فقط اس بنا پر کہ اس جماعت میں یہ تیسرا گروہ کس قدر اثر انداز تھا۔ یہ قوموں

کی سعادت و ہلاکت کا اٹل قانون ہے جس اسلوب سے کسی کا جی چاہے اس قانون کی صداقت کو پرکھ کر دیکھ لے۔

ہندوستان کی موجودہ کشمکشِ حیات میں مسلم لیگ کا قیام، قوم کے عروقِ مردہ میں حیاتِ تازہ کا مرادف تھا۔ ہندو کی منظم سازش مسلمان کو من حیث القوم فنا کر دینے میں کامیاب ہو ہی چلی تھی کہ اللہ تعالےٰ کا دستِ حفاظت آگے بڑھا اور اس نے بربادی کے جہنم کے کنارے پر پہنچی ہوئی قوم کو اپنی رحمت و شفقت سے گرنے سے بچا لیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ لیگ کے قیام کے ساتھ ہی وہی تین گروہ وجود میں آ گئے۔

ایک وہ جو بہ خلوصِ نیت۔ لیگ کے نصب العین پر کامل حزم و یقین کے ساتھ۔ لیگ کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دوسرا وہ جس نے علانیہ اس نصب العین کی مخالفت کی اور کھلے بندوں ملّتِ اسلامیہ سے کٹ کر دوسروں کے ساتھ جا ملا۔ یہ دونوں گروہ الگ الگ۔ ایک دوسرے سے متمیز و متفرق نظر آ جاتے ہیں کسی کو کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا۔ کہیں غلطی نہیں لگ سکتی لیکن ان کے بین بین ایک تیسرا گروہ بھی پیدا ہو گیا۔ یہ وہ گروہ تھا جسے ملّتِ اسلامیہ کے اجتماعی مفاد سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مسلمانوں کی شوکت و عظمت کی بازیابی کی کوئی تمنّا ان کے قلوب میں موجزن نہ تھی۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی کوئی تڑپ ان کے سینہ کے اندر برق تپاں بن کر نہیں دوڑتی تھی لیکن ان میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ علانیہ ہٹ کر۔ الگ ہو کر۔ لیگ کی مخالفت کریں۔ اس لئے انھوں نے "بین بین ذالک" کی راہ اختیار کر لی۔ یہ گروہ اس وقت سے آج تک اپنی منافقانہ سازشوں سے لیگ کے لئے ایک رستا ہوا ناسور بن رہا ہے۔ اس نے لیگ کے پاؤں میں بڑی بڑی بھاری زنجیریں ڈال رکھی ہیں کہ وہ کہیں آگے نہ بڑھ جائے۔ اسے چاروں طرف سے جکڑ رکھا ہے کہ وہ کوئی حرکت آزادانہ نہ کر سکے۔ یہ ہے وہ گروہ جو آہستہ آہستہ۔ بتدریج۔ غیر شعوری طور پر۔ قوم کے عناصر صالح سے خونِ زندگی چوستا چلا جاتا ہے۔ اور قوم کو علم تک بھی نہیں ہونے پایا کہ وہ کس قدر موت کے قریب ہوتی جا رہی ہے۔ قوم کی بدبختی کہ جس خطۂ ملک میں لیگ کو سب سے زیادہ فعّال اور مؤثر جماعت ہونا چاہئے تھا۔ یہ گروہ اسی حصہ میں زیادہ بڑھا۔ پھولا اور پھلا۔ اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ اس کی جڑیں اندر ہی اندر دور تک زمین میں دوڑ چکی ہیں اور اس کی شاخیں گرد و پیش کے چھوٹے چھوٹے

پودوں پر چھارہی ہیں کہ سورج کی زندگی بخش شعاعیں ان تک پہنچنے ہی نہیں پاتیں۔ آپ ذرا اس گروہ کی حرکات و اقدام پر غور کیجئے۔ بظاہر آپ کو لیگ کے سب سے بڑے حامی دکھائی دیں گے۔ ان کی اشک آلود آنکھیں انھیں قوم کا سب سے زیادہ غمگسار ثابت کریں گی۔ لیکن عملاً یہ ہوگا کہ لیگ کے ہر فیصلہ کی مخالفت کریں گے۔ اپنے ذاتی مصالح کی خاطر قوم کی قوم کو جہنم کے گڑھے میں دھکیل دینے سے قطعاً دریغ نہیں کریں گے۔ لیگ کا فیصلہ ہوگا کہ شمال مغربی حصہ ملک میں الگ نظامِ حکومت قائم ہوگا۔ جہاں مسلمان اکثریت کی حکومت ہوگی۔ یہ پہلے دن سے اس کی مخالفت شروع کردیں گے۔ ہر تقریر میں۔ ہر تحریر میں اس نظریۂ علیحدگی کے خلاف جائیں گے۔

لیگ کا فیصلہ ہوگا (اور اگر فیصلہ نہ بھی ہو تو بھی اصولاً یہی ہونا چاہئے) کہ لیگ کا کوئی ذمہ دار رکن کسی دوسری سیاسی جماعت کے ارکان سے کسی قسم کی سازباز نہ کرے۔ لیکن یہ اس اصول کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر الگ پھینک دیں گے اور اپنے ذاتی منافع و مصالح کے تحفظ کے لئے ہر دشمن ملت سے سازباز قائم کریں گے۔ غرضیکہ یہ کریں گے وہ جو اِن کے مفاد کے مطابق ہو اور اس ڈھٹائی سے کہ پھر لیگ کے ہر اجتماع میں بڑے معتبرین کر پیش پیش بھی نظر آئیں گے۔

یہ ہے وہ گروہ جس نے آج تک لیگ کو پنپنے نہیں دیا۔

اس گروہ کے خلاف ہمیں کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ یہ وہ ہیں جن کی فطرت میں منافقت ہے۔ ذاتی مفاد ان کا ایمان اور انفرادی مصالح ان کا دین ہے۔ طاقت کا ساتھ دینا ان کی زندگی کا اصول ہے خواہ وہ طاقت فرعون کی ہو یا موسیٰؑ کی۔ ابوجہل کی ہو یا محمد صلعم کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ لیگ کو اس بارے میں کیا کرنا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کسی جماعت میں ایسے گروہ کا وجود اس جماعت کے لئے تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے جتنی جلدی وہ جماعت اپنے آپ کو ایسے گروہ کے وجودِ مشئوم سے پاک کرے گی۔ اتنی جلدی وہ سعادت و کامرانی کی منازل طے کرتی ہوئی اپنے نصب العین تک جا پہنچے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سب سے پہلی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اس گروہ کے قابل اصلاح اجزا کی اصلاح ہو جائے

اور اسکے لئے مہلت اور وقفہ کی بھی ضرورت ہو گی لیکن مہلت اور وقفہ کی بھی ایک حد ہوگی۔ اسکے بعد جب یہ دیکھ لیا جائیگا کہ فلاں فلاں اجزا نا قابل اصلاح ہیں تو انھیں کاٹ کر الگ کر دینے میں ہی رازِ زندگی ہوگا۔ اگر کسی کی انگلی پر کوئی ناسور ہو تو سب سے پہلا کام اسکی اصلاح و علاج ہوگا۔ لیکن جب علاج و اصلاح کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ ناسور نا قابل علاج ہے۔ اور ناسور انگلی سے پہنچے تک بڑھتا جا رہا ہو۔ اور خطرہ ہو کہ اگر اس کی یہی رفتار رہی تو یہ تمام جسم کے لئے مہلک ثابت ہو جائیگا تو پھر اس انگلی کا کاٹ دینا ہی صحیح علاج ہے سارے جسم کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ اس زہر آلود حصہ جسم کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔ کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ اس میں کوتاہی خودکشی کے مرادف ہوگی۔ اسمیں تساہل ہلاکت انگیز عواقب کا موجب ہوگا۔ ہمارا خیال ہے کہ لیگ نے اس منافق گروہ کی اصلاح کیلئے بہت کچھ کر دیکھا ہے۔ اس نے اسے کافی مہلت اور وقفہ دیدیا ہے۔ اس لئے اب مزید توقف و انتظار ہلاکت آفریں نتائج کا موجب ہوگا۔ قوم اس وقت بڑے نازک مراحل سے گذر رہی ہے۔ کشتی بھیانک گرداب میں پھنسی ہوئی ہے۔ اسوقت کشتی میں ایسے لوگوں کا وجود جو چپکے ہی چپکے کشتی میں سوراخ کرتے جا رہے ہیں۔ خوفناک تباہی کا موجب ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو جس قدر جلد ممکن ہو کشتی سے الگ کر دینا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں اگر مزید تغافل ہوتا گیا تو وہ لیگ کے لئے ایسے نقصان کا باعث ہوگا جس کی تلافی بمشکل ہو سکے گی۔ اس گروہ کی کانگریس کے ارباب حل و عقد سے جو ساز باز ہو رہی ہے اور پھر علیحدگی کی اسکیم کی مخالفت کے بعد ہندوستان کے لئے درجہ نو آبادیات کا جو مطالبہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے پیش نظر قرائن بتا رہے ہیں کہ غالباً ان لوگوں کا ارادہ ایک الگ لیگ قائم کرنے کا ہے جو کانگریس کے ساتھ ملکر حکومتیں قائم کر سکے۔ لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اب مسلم لیگ وہ پرانی لیگ نہیں ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں الگ جماعت کھڑی کرنا آسان نہیں ہے۔ مسٹر جناح قوم کی نگاہوں میں اب ان بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ مقام منافقانہ سازشوں سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ قوم کا اعتماد بے پناہ خلوص اور کوہ شکن یقین سے حاصل کیا جاتا ہے۔ روباہ بازیوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جسے دنیا جانتی ہے۔ ولکن المنافقین لا یعلمون۔

ہم ہندوؤں کے افلاسِ تدبر کا ماتم کرتے ہوئے ایک عرصہ سے انہیں متنبہ کرتے چلے آ رہے تھے کہ اگر دنیا

میں اپنی ہمنی نہیں اُڑوانا چاہتے تو اس "مہاتما پرستی" کے بت کو توڑ کر عقل و بصیرت کی راہ چلئے جو قوم ایک انسان کو منزہ عن الخطا سمجھکر "خدا" بنالے۔ اس پر کامیابی و کامرانی کی راہ کبھی نہیں کھل سکتی۔ لیکن جو قوم اپنے ہاتھوں سے پتھر تراش کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجانے کی عادی ہو۔ جو حیوانوں اور درختوں کے سامنے جھک جانے کی خوگر ہو۔ وہ بھلا اس قسم کی انسان پرستی آسانی سے کیسے چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن زمانہ کا ہاتھ بھی بڑا سخت گیر ہوتا ہے۔ گاندھی جی اس وقت تک قوم کو اپنے اہمسا کے "آسمانی نظریہ" کی بھول بھلیوں میں چلاتے پھراتے رہے جب تک قوم کے سامنے کوئی حقیقی خطرہ نہ تھا۔ لیکن اب جو قوم نے محسوس کیا کہ کل کو اگر ہندوستان پر کہیں باہر سے حملہ ہوگیا۔ یا اس کے اندر ہی کوئی خلفشار نمودار ہوگیا تو تکلیاں ہاتھ میں لئے ڈنڈوت بجانے سے کیا ہوگا۔ اسلئے خطرہ کے احساس سے ان کی خفتہ بصیرت بیدار ہوئی اور انہوں نے نجی کرا کر کے بالآخر فیصلہ کردیا کہ گاندھی جی اپنے اہمسا کو لئے رہیں۔ قوم کو ضرورت ہوگی تو تشدد سے بھی کام لیا جائیگا۔

آنچہ دانا کند۔ کند ناداں۔ لیک بعد از خرابی بسیار

لیکن ہمیں ہندوؤں سے کیا واسطہ۔ جس قوم کے پاس ہدایت کی کوئی آسمانی روشنی نہیں۔ جس کے پاس کوئی الہٰی ضابطہ قوانین نہیں۔ وہ اپنی مصلحت کوشیوں کے ماتحت اپنے دل و دماغ سے کام لیکر جونسی راہ اپنے لئے بہتر خیال کریں۔ اسے اختیار کرلیں۔ ان پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں اپنے قومیت پرست مسلمان حضرات سے۔ اور بالخصوص "علمائے کرام" سے کہ

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

ان لوگوں نے اپنے حی و قیوم خدا کی زندہ و پائندہ تعلیم سے منہ موڑ کر ایک انسان کو اپنا راہ نما قرار دیا۔ اس کی "روحِ عظیم" پر ایمان لائے۔ اسے منزہ عن الخطا مانا۔ اپنی فلاح و سعادت کے لئے اس کی۔ اور "تنہا اس کی راہ نمائی" کو کارساز قرار دیا۔ اور آج حالت یہ ہے کہ خود انسانوں کی ایک جماعت نے۔ اس بُت کے پوجاریوں کی اکثریت نے اکھٹے ہوکر اسے توڑ کے رکھدیا۔ اس کی راہ نمائی کو خسران و نامرادی کا موجب ٹھہرایا۔ اور اپنے لئے ایک دوسری راہ عمل تجویز کرلی۔ اب ان حضرات نے بھی اپنی نمازوں کا رُخ وارد ھا سے آنند بھون کی طرف کرلیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے بارہا اپنی تقریروں میں کہا کہ عدم تشدد عین اسلام ہے۔

جنہوں نے "عدم تشدد کے نظریہ کو عملاً" اپنی فریب خوردہ قوم کے اندر پھیلایا۔ جنہوں نے سرحد کے جسور وغیور پٹھانوں کو ہاتھ باندھکر نمسکار کرنیکا سبق دیا۔ جنہوں نے تعلیمی اسکیموں میں صرف ان لوگوں کی تاریخ کو داخلِ نصاب کیا جو عدم تشدد کے حامی تھے۔ جنہوں نے عدالتوں میں جاکر قمیص اٹھا اٹھا کر بیان دئے کہ عدم تشدد ہمارا مذہبی عقیدہ ہے اور ہم کبھی کسی ایسی جماعت کے رکن نہیں بنے جس کا عقیدہ عدم تشدد پر نہ ہو۔ آج عدم تشدد کا وہی عقیدہ باطل ٹھہرایا گیا اور اب تشدد کا عقیدہ جزوِ ایمان بنایا جائیگا۔ دیکھا آپ نے کہ جو اللہ کی حبلِ متین کو چھوڑ کر انسانوں کے پیچھے چلتا ہے۔ کس قدر ذلت و رسوائیوں کے عذاب میں گرفتار رہتا ہے۔

ومن یشرک باللہ

جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک ٹھہرایا تو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ وہ آسمان کی بلندیوں سے پستی پر آگرا یا جیسے کوئی تیز پنجوں والا پرندہ اسے اُچک کرلے گیا۔ یا جیسے ہوا کا جھونکا اسے پرکاہ کی طرح اڑاتے اڑاتے لے پھرا۔

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل   زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو انہیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو   ان کی سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ہمارے الفاظ میں نہ سنئے۔ ان کی ذلت و رسوائیوں کی داستان خود انہی کے الفاظ میں سنئے۔ فرماتے ہیں:

> "پھر یہ بھی فرض کر لیجئے کہ کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑی جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے۔ البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دینگے ذرا غور سے کام لیجئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں؟" (الہلال ۹/۲۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

زمانہ اس برق رفتاری سے بدل رہا ہے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس وقت یہ سطور آپ کی نگاہ سے

گذریں گی۔ دنیا کیا سے کیا ہو چکی ہوگی! حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ خدا نہ کرے کہ ملک میں کسی قسم کا خلفشار پیدا ہو۔ اللہ ہمیں ہر قسم کی فساد انگیزیوں اور مفسدہ پردازیوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ لیکن شر انگیز لوگوں کو ان کی بد طینتی سے کون روک سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مفسدہ پردازی کا خبثِ باطن انہیں کسی شرارت پر آمادہ کر دے۔ ایسے وقت میں مسلمانوں کو اپنی مدافعت کے لئے کیا کرنا ہوگا۔ یہ چیز آج سوچنے کی نہیں۔ بہت پہلے سوچنے کی تھی۔ جو کچھ آج سوچا جا سکتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ

(۱) ایسے وقت میں اکیلے اکیلے نہ رہنا۔ اکیلی بھیڑ پر ایک نکما بھیڑیا بھی حملہ کر دیتا ہے۔ پورے گلہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی کسی کو جرأت نہیں پڑتی۔

(۲) پوری قوت سے اجتماعی طور پر اپنی مدافعت کرنا۔ لیکن کسی انسان پر (مسلم ہو یا غیر مسلم) کسی حالت میں بھی ظلم و تعدی نہ کرنا۔

(۳) تمہارے پاس قوت ہو تو ہر مظلوم کو پناہ دینا۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ بلکہ وقت آنے پر غیر مسلموں پر ثابت کر دینا کہ مسلمان تو اللہ کا وہ سپاہی ہے جس کی قوت ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے اور مظلوم کو پناہ میں لینے کے کام آتی ہے۔ اس لئے مسلمان کا صاحبِ قوت و اقتدار ہونا انسانیت کے لئے رحمت کا موجب ہے۔ اس سے ڈرنے اور خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۴) اور ہر پریشانی میں کامل بھروسہ اللہ کی استعانت پر رکھنا کہ اس کی استعانت کے بغیر کوئی مصیبت رفع نہیں ہو سکتی۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

خدا حافظ

ابلیس کا پیغام اپنے ہندی مریدوں کے نام

"گو تمہارے دم سے محکم ہند میں میرا نظام   ہے ابھی بھارت میں کام اپنا بہت کچھ ناتمام!

گرچہ دو صدیوں سے ہے مجبور بھی محکوم بھی   آج تک بھولی نہیں خیر الامم اپنا مقام

کر لیا مٹھی میں ہم نے گو دلِ پیرِ حرم!   ہے ہماری دسترس سے دور ایمانِ عوام

تم نے کیا دیکھا نہیں ان کی فراست کا کمال؟   اپنی عیّاری کو دے کر "جنگِ آزادی" کا نام

کھول جاتا ہے ابھی ذکرِ حرم سے ان کا خوں!   دب گئے مجبوری ابھی بگڑا نہیں اِن کا قوام

ان سے آتی ہے ابھی بوئے جہانگیری مجھے!   اِن کے ہاتھوں میں نہ پھر آجائے دنیا کی زمام

ان کے سینوں میں ابھی باقی ہے سوزِ آرزو   زندہ رہنے کا نظر آتا ہے کچھ کچھ اہتمام

کوئی چنگاری ابھی اس سرد خاکستر میں ہے   پھر بھڑک اٹھیں نہ اس سے شعلہ ہائے لالہ فام

یہ تمنّا یہ تڑپ یہ ولولے یہ اضطراب!   رکھ سکیں گے آہ! کیونکر ہم مسلماں کو غلام

"کھیلتی ہے جس کی ہمت ماہ و پرویں کا شکار"   کیونکر آئے وہ فلک پرواز شاہیں زیرِ دام

یہ مسلماں زادہ یہ پروردۂ بدر و حنین!   پھر نہ ہو جائے کہیں شمشیر اس کی بے نیام

مردِ مومن کو دکھایا کس نے پاکستان کا خواب   پھر دلایا یاد اسے کس نے محمدؐ کا پیام

چھوٹتی جاتی ہیں نبضیں ڈوبتے جاتے ہیں دل   ہے ہماری عافیت اس تازہ کروٹ سے حرام

کہنہ اندیشو! کوئی تدبیر ہونی چاہیے!
شیطنت کی تازہ تر تفسیر ہونی چاہیے

تم اگر چاہو تو ہو سکتا ہے پیدا وہ سماں — ہند میں باقی مسلماں ہو نہ اس کی داستاں

موت کا پیغام ہے میرے لئے اس کا وجود — تنگ اس ظالم پہ کر دو وسعتِ ہندوستاں

لب کشا ہو جب وہ بہرِ نالہ و فریاد بھی — ایک کر دو شورِ پیہم سے زمین و آسماں !!

* فرقہ پرور آزاد "وطن دشمن" کا دے دیکر خطاب — اس کے عزمِ آتشیں کو کر دو مغلوب گماں

قبضہ کر لو سیم و زر سے منبر و محراب پر — "حاملانِ شرع" کو اپنا بنا لو راز داں !!

اپنے افسوں سے بدل دو ان فرشتوں کا ضمیر — ترجماں قرآں کے بن جائیں ہمارے ترجماں

ان سے لکھواؤ وہ تفسیریں کتاب اللہ کی — سینۂ جبریلؑ سے نکلے صدائے الاماں

"چرخہ" "کھدر" "گائے کی حرمت" "وطن کی بندگی" — قریہ قریہ میں کریں واعظ یہی مضموں بیاں

ایک ہی سانچے میں شیخ اور برہمن کو ڈھال دیں — شورشِ ناقوس میں دب جائے آوازِ اذاں

یہ مقدس ہستیاں جب کر دکھائیں گی یہ کام — صید ہو جائے گا اس امت کا ہر پیر و جواں

ہیں یہ وہ صیاد اپنے ہم صفیروں کے لئے — جن کی صیادی نہیں منت کشِ تیر و کماں

تیغ و قرآں سے مسلمانوں کو رکھو دور دور — ان میں رہ جائے نہ باقی زندگانی کا نشاں

جا کے دو سرحد کے شیروں کو اہنسا کا سبق — اور خود میداں میں آ نکلے شمشیر و سناں

حل اسی تدبیر سے ہوں گی ہماری مشکلات

اے رفیقانِ طریقت ہے یہی راہِ نجات"

شریف چشتی

(ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ علیگ)

اقبال اور مُلّت

(۲۲ مارچ بعد دوپہر یونیورسٹی ہال لاہور میں تیسرا یوم اقبال منایا گیا۔ جس میں میں نے عنوانِ بالا پر تقریر کی اور اس کا جس قدر حصّہ ذہن میں محفوظ رہ سکا۔ احباب کے تقاضا پر اُسے بعد میں قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی۔ قلّتِ وقت کی بنا پر میں اس موضوع کو اپنی تقریر میں تکمیل تک نہیں پہنچا سکا تھا۔ اس لئے آخری حصہ کا اضافہ اب کیا گیا ہے۔ تقریر کو بعد میں ضبطِ تحریر میں لانا جس قدر مشکل ہے آپ اس کا اندازہ فرما سکتے ہیں۔ لیکن موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے کوشش کی ہے کہ یہ ایک مربوط مضمون کی شکل اختیار کرلے — پرویز)

۱۹۳۸ء میں جب پہلا یومِ اقبال منایا گیا ہے تو میں نے مسلم برادرھڈ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ حضرتِ علامہ (علیہ الرحمۃ) کی یاد میں سر جھکائے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے یومِ اقبال تو سیکڑوں منائے جائینگے۔ لیکن گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر زمزمۂ تہنیت و غلغلۂ تبریک سے سرمست "یومِ اقبال" منانے کا سہرا برادرھڈ کے سر ہی رہیگا۔ نہ جانے وہ کون سی قوت تھی جس نے میری زبان سے اُسوقت یہ الفاظ کہلوا دیئے کہ دوسرے ہی سال ہمیں سر جھکائے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے "یومِ اقبال" منانا پڑا۔ بہرحال میں اس وقت اپنے بربطِ ہستی کے ان تاروں کو نہیں چھیڑنا چاہتا جن میں یہ المیہ نغمات خوابیدہ ہیں کہ ہمیں ایسے مواقع پر سکھایا گیا ہے کہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

آپ کو معلوم ہے کہ میرا مستقل موضوع ہے "پیامِ اقبال اور قرآنِ کریم" کہ میرے نزدیک حضرتِ علامہؒ کی صحیح عظمت و عقیدت اسی بنا پر ہے کہ انھوں نے جو کچھ سمجھا قرآن سے سمجھا اور جو کچھ کہا قرآن سے کہا۔ ان کے پیام کا سرچشمہ نہ افلاطون و فارابی کے تصورات کی دنیا ہے اور نہ کانٹ اور ہیگل کے تخیلات کا عالم۔ انھوں نے جس قدر اکتسابِ ضیا کیا اسی شمعِ نورانی سے کیا۔ ان کی

مئے سخن براہِ راست خمستانِ حجاز سے سرمُہر آبگینوں میں آتی تھی کہ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ

از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

سالِ گذشتہ میں نے اس وسیع موضوع کے ایک ضمنی گوشے۔ یعنی اسلامی فلسفۂ اجتماعیت کے متعلق کچھ عرض کیا تھا۔ اِس وقت "اقبال اور ملت" کے عنوان سے کچھ گذارش کرونگا۔ اسے دراصل سالِ گذشتہ کے سلسلہ کی ہی ایک کڑی سمجھئے۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللہ العلی العظیم۔

اگر آپ اسلام اور دیگر ادیانِ عالم پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو آپ کو ان دونوں میں ایک بیّن فرق نظر آئیگا۔ دُنیا کے دیگر مذاہب کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ انسان کو اس کی اپنی نجات کا طریقہ سکھائیں۔ اُسے یہ بتائیں کہ اس کی مکتی کیسے ہوسکتی ہے۔ وہ (Salvation) کس طرح حاصل کرسکتا ہے۔ اور اس نجات مکتی یا (Salvation) کے حصول کے لئے سکھایا یہ جاتا ہے کہ ایک انسان دنیا کے دھندوں سے الگ ہوکر ایشور کی بھگتی میں مگن ہوجائے۔ ان مذاہب میں خدا کے قریب وہی سمجھا جاتا ہے جو اس کے بندوں سے دور ہوتا چلا جائے۔ گرہست آشرم اور سنیاس آشرم ایک انسان کی دو مختلف زندگیوں کے نام ہیں جو کبھی یکجا نہیں ہوسکتے۔ کلیسا کا راہب بیوی بچوں کی زندگی سے دور بھاگتا ہے کہ ان میں اسے شیطان کی تدرح نظر آتی ہے۔ سلطنت اور مذہب (Church & State) نظامِ عالم کے دو جداگانہ شعبے ہیں جن میں کبھی تطابق و توافق پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کے برعکس اسلام دنیا کو ایک اور ہی سبق دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب انسان کی عملی زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے۔ اس کے حدود و قیود وہ محکم ساحل ہیں جو حیاتِ انسانی کی جوئے رواں کا رُخ متعین کرتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک مذہب کا منشاء محض ایک انسان کی انفرادی نجات ہی نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی اس وسیع اور عریض زمین پر جسے انسانی چیرہ دستیوں اور ہوس پرستیوں نے جہنم بنا رکھا ہے خدا کی بادشاہت قائم کی جائے۔ اس نظامِ زندگی۔ اس ضابطۂ حیات کا نام ہے اسلام۔ پھر ظاہر ہے کہ

اس حکومتِ الٰہیہ کے قیام و بقا کے لئے اللہ کے سپاہیوں کی ایک جماعت کی ضرورت ہوگی۔ اس جماعت کا نام ہے "ملتِ اسلامیہ"۔ جو دُنیا میں اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے خدا کے لئے جیتی ہے اور اُسی کے لئے مرتی ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے   کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے ؟

لیکن برادران ! اسلام کی اس امتیازی تعلیم پر غیر اسلامی تصورات اس درجہ غالب آگئے۔ کہ حیاتِ اجتماعیہ کا یہ نظریہ مسلمانوں کی نگاہوں سے یکسر اوجھل ہوگیا۔ اور دیگر مذاہب کی طرح اسلام کے متعلق بھی یہی سمجھ لیا گیا کہ اس کا مقصد انسان کی انفرادی نجات ہے۔ اگرچہ یہ بھی نظریہ مسلمانوں کے ذہن پر ایک عرصہ سے مسلط تھا۔ لیکن دورِ حاضرہ میں اُن لوگوں کی طرف سے جو یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کا یہ امتیازی نشان ان کے بعض مخصوص مقاصد کی راہ میں ایک سنگِ گران بن کر حائل ہے۔ اس نظریہ کو بڑا نمایاں کرکے دکھایا گیا اور ہر جگہ اس کا ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ مذہب انسان کے پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ عملی زندگی میں اس کا کوئی دخل و اثر نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے پُر آشوب زمانہ میں جبکہ مذہب کے متعلق اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے اس قسم کے غیر اسلامی تصورات کو عام کیا جا رہا تھا۔ ملتِ اسلامیہ کی خوش بختی سے ان کے اندر ایک مردِ مومن پیدا ہوا ۔ جس نے اپنی بصیرتِ قرآنی اور جرأتِ ایمانی سے مسلمانوں کے سامنے ان کے اس گمگشتہ نظریہ کو پھر سے نمایاں کیا اور پوری قوت سے اعلان کیا کہ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَة

فرد را ربطِ جماعت رحمت است   جوہرِ او را کمال از ملت است
تا توانی با جماعت یار باش   رونقِ ہنگامۂ احرار باش
فرد می گیرد ز ملت احترام   ملت از افراد می یابد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود   قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

فرد اور ملت کی مثال ایک گھڑی کے پُرزوں کی سی ہے۔ پُرزے الگ الگ بکھرے پڑے ہوں تو ایک ایک پُرزہ کتنا ہی قیمتی اور کیسا ہی مضبوط کیوں نہ ہو کسی کام کا نہیں۔ لیکن اگر

یہی پرزے ایک خاص نظام کے ماتحت گھڑی کے اندر فٹ (Fit) ہو جائیں تو ہر پرزہ کی حرکت تمام مشینری پر اثر انداز ہوگی۔ اور یوں ان پرزوں کی حرکات کے بیسیوں جاگتے۔ درخشندہ و تابندہ نتائج آنکھوں کے سامنے آجائینگے۔

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ
لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

۳/۱۹۹

اگر آپ حضرت علامہؒ کے کلام پر اس نگاہ سے غور کرینگے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ آپ کے پیام کا نقطۂ ماسکہ ہے ملّت اور مرکز۔ اور اسلام فی الحقیقت انہی کے التزام کا نام ہے۔ یہ گئے تو اسلام بھی گیا۔

اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی　　چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ　　زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا
آبرو باقی تری ملّت کی جمعیت سے تھی　　جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا
فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

یہ تصور کہ ملّت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے۔ اس کی اجتماعیت فنا ہو چکی ہے۔ ان کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ان کی مرکزیت، انفرادیت میں گم ہو چکی ہے۔ حضرت علامہؒ کو خون کے آنسو رلاتا تھا۔ بحضور رسالتمآب عرض کرتے ہیں۔

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است　　ہنوز ایں کارواں دور از مقام است
زکارِ بے نظامِ او چہ گویم　　تو می دانی کہ ملّت بے امام است

ان کے نزدیک ایک مسلمان کی تعریف (Definition) ہی یہ ہے کہ وہ اپنی خودی کو مستحکم کر کے ملّت میں فنا ہو جائے اور یوں بقائے دوام اور حیاتِ جاوید کے بلند ترین مقام پر سرفراز ہو جائے۔ وہ دنیائے عشق میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ وہ تصوف کے عجمی تصور کو پھر سے اسلامی بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔ وہ انا الحق کی جگہ انا الملّت کا نعرہ لگانا سکھاتے ہیں۔

مسلمانی غمِ دل درخور یدن ۔۔۔ چو سیماب از تپِ یاراں تپیدن
حضورِ ملّت از خود درگذشتن ۔۔۔ دگر بانگِ انا الملّت کشیدن

چوں سیماب از تپِ یاراں تپیدن ۔۔۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی مثال ایک جسدِ واحد کی سی ہے کہ اگر پاؤں کے انگوٹھے میں کانٹا چبھ جائے تو آنکھ کے آبگینے میں آنسو جھلک آئیں۔ اگر افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں کسی حبشی کے تلوے میں آبلہ پڑ جائے تو گلکدۂ ایران میں حریر و اطلس کے گدّوں پر لیٹے ہوئے شاہنشاہ کی آنکھوں میں نیند حرام ہو جائے۔ پھر اپنے آپ کو ملّت میں جذب کرنے۔ خود ملّت بن جانے کے نقطہ پر بھی غور فرمایا آپ نے ؟

اسلام ملّتِ ابراہیمی کا نام ہے اور حضرت ابراہیم کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ۝

یقیناً ابراہیم ایک فردِ واحد نہیں تھا بلکہ (ایک (پوری کی پوری) ملّتِ قانتہ کو اپنی ذات میں سموئے ہوئے تھا۔ اور تمام دُنیا سے کٹ کر سیدھا اُسی کے راستہ پر قائم تھا۔

بچشمِ کم مبیں تنہائیم را ۔۔۔ کہ من صد کارواں اندر کنارم

اس انداز سے ملّت میں جذب ہو جانا کہ قطرہ سمندر بن جائے۔ ذرّہ صحرا ہو جائے۔

بُتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی ..

چونکہ اس زمین پر حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی ذمّہ دار ملّتِ اسلامیہ ہے۔ اس کی سلطنت کا تخت اسی کے ہاتھوں یہاں بچھایا جائے گا اس لئے اگر یہ ملّت (افراد نہیں) انا الحق کا بھی دعویٰ کرے تو بجا ہے۔

انا الحق جُز مقامِ کبریا نیست ۔۔۔ سزائے او چلیپا ہست یا نیست ؟
اگر فردے بگوید سرزنش بہ ۔۔۔ اگر قومے بگوید ناروا نیست

لیکن یہ انا الحق کا دعویٰ زیب کس قوم کو دیتا ہے ؟ فرماتے ہیں۔

آں ملّت انا الحق سازگار است ۔۔۔ کہ از خونش نمِ ہر شاخسار است

نہاں اندر جلالِ او جمالے   کہ او را نُہ سپہر آئینہ دار است

وہ اُمّت جو ۔ میانِ اُمتاں ، والا مقام است

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

کہ آں اُمّت دو گیتی را امام است

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۔

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی   ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

ہاں ! وہ اُمّت کہ

میانِ اُمتاں والا مقام است   کہ آں اُمت دو گیتی را امام است

نیاساید ز کارِ آفرینش   کہ خواب و خستگی بروے حرام است

وہ اُمّت کہ جس کا اندازِ زندگی یہ ہو کر   پرد در وسعتِ گردوں یگانہ

جن بلندیوں پر یہ اُڑے کسی اور کے شہپرِ تخیّل کی بھی وہاں تک رسائی نہ ہو۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے   غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران)

وہ مسلمان سے کہتے ہیں کہ تو نے تو اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں اور یونہی تہذیبِ یورپ کے جھوٹے نگوں کی مینا کاری تیری نگاہوں کو خیرہ کر گئی ۔ حالانکہ اگر تو کبھی اپنے آپ سے باخبر ہو جاتا تو خود محسوس کر لیتا کہ

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن

قدم اُٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

یورپ کا مادہ پرست تو اسی جہانِ آب و گل کی چار دیواری میں محبوس ہو کے رہ گیا۔ اس کی نگہِ تحسین نے بہت بڑی جست کی تو کسی گرے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ اور مومن کو قرآن یہ سکھاتا ہے کہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

ہاں؛ تو اس ملّت کے متعلق کہا ہے کہ

پرد در وسعتِ گردوں یگانہ — آسمان کی بلندیوں پر بلاشرکتِ غیرے اُڑتی ہے لیکن اتنی بلندیوں پر اُڑنے کے باوجود نگاہے او بشاخِ آشیانہ قلب کا رشتہ مرکز سے وابستہ رہتا ہے۔

ہمچو پرکاریم۔ پائے در شریعت مستقیم
پائے دیگر۔ سیر ہفتاد و دو ملّت کردہ ایم

کہ اگر مرکز سے پاؤں اُکھڑ گیا تو دائرہ کائنات بگڑ گیا۔ اگر آشیانہ سے نگاہ ہٹ گئی تو فضا کی پہنائیوں میں کھو گیا۔ کیا آپ نے شہد کی مکھیوں کی طرف نہیں دیکھا (وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ) کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں میل کی مسافت طے کرتی ہیں۔ ایک سے ایک الگ ہو جاتی ہے رنگ برنگ کے باغات اور رنگا رنگ کی وادیوں میں جا نکلتی ہیں۔ لیکن وہ کبھی اس فضائے رنگ و بو میں کھو نہیں جاتیں بلکہ وہ کلی کلی کا رس چوستی ہیں۔ اس تمام خارجی فضا کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں۔ کہ

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

لیکن اس عالمِ رنگ و تعطّر میں۔ اس جہانِ کیف و کم میں قلب کا رشتہ اپنے مرکز سے قائم رکھتی ہیں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی محنتوں کا سرمایہ۔ اپنی اپنی تگ و دو کا ماحصل، امیرِ ملّت کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے۔ یہی کیفیت ملّتِ اسلامیہ کی ہے۔

پرد در وسعتِ گردوں یگانہ نگاہے او بشاخِ آشیانہ

مہ و انجم گرفتار کمندش　　بدستِ او ست تقدیرِ زمانہ

اس ملت کی صفات کیا ہونگی؟

بباغاں عندلیبے خوش صفیرے　　براغاں جرہ بازے۔ زود گیرے

یعنی

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر　　شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے　　گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

ہاں:

بباغاں عندلیبے خوش صفیرے　　براغاں جرہ بازے۔ زود گیرے

امیرِ او بسلطانی فقیرے　　فقیرِ او بدرویشی امیرے

ایک زندہ و پائندہ قوم۔ جیتی جاگتی قوم۔ وہ قوم جس کے اعمالِ صالحہ کے درخشندہ نتائج پکار پکار کر دنیا پکار اٹھے کہ

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا　　کہ صبح و شام بدلتی ہیں اُن کی تقدیریں

کمالِ صدق و مروت ہے زندگی اُن کی　　معاف کرتی ہے فطرت بھی اُن کی تقصیریں

قلندرانہ ادائیں۔ سکندرانہ جلال،　　یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

اسی غزل کا ایک اور شعر ہے

شکوہِ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن　　قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں

مختلف تکبیروں میں کس قدر فرق ہے۔ فرماتے ہیں:۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　مُلا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

مسلمان سے پوچھتے ہیں کہ

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ ! — با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ
ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب — یک نگہ شو تا شود حق بے نقاب
مردہ ؟ از یک نگاہی زندہ شو — بگذر از بے مرکزی پایندہ شو
وحدتِ افکار و کردار آفریں — تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

توحید نام ہی وحدت و یک نگہی کا ہے ۔ تفرقہ قرآن کریم کے نزدیک شرک ہے ۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ
وَكَانُوا شِيَعًا ۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

(دیکھنا ! کہیں مشرکین میں سے نہ ہو جانا ۔ یعنی اُن لوگوں میں سے جو دین میں تفرقہ پیدا کر دیتے ہیں اور خود ایک فرقہ بن بیٹھتے ہیں (پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ) ہر فرقہ اپنے اپنے مسلک میں مگن ہو جاتا ہے)

حضرت علیؓ کا قول ہے :-

اِيَّاكُمْ وَالتَّفَرُّقَةَ ۔ فَاِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ كَمَا
اِنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ ۔ اَلَا ! مَنْ دَعَا اِلٰى هٰذَا
الشِّعَارِ فَاقْتُلُوْهُ ۔ وَلَوْ كَانَ تَحْتَ عِمَامَتِيْ هٰذَا ۔

(ہمیشہ تفرقہ سے بچو ۔ یاد رکھو کہ جو شخص ملت سے کٹ کر تنہا رہ جاتا ہے وہ اسی طرح شیطان کا شکار ہو جاتا ہے جس طرح ایک بھیڑ گلے سے جدا ہو کر بھیڑیئے کا شکار ہو جاتی ہے ۔ دیکھو ! جو شخص تمہیں اس شعار کی طرف دعوت دے اسے قتل کر ڈالو ۔ خواہ وہ میرے ہی عمامہ کے نیچے کیوں نہ ہو)

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو — اخوت کا بیاں ہو جا ۔ محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی - یہ افغانی وہ تورانی   تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے   تو اے مُرغِ حرم اُڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

نبی اکرمؐ نے فرمایا

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔

ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو - جو جماعت سے الگ ہوا سیدھا جہنم میں گیا۔

ہر کہ از بندِ خودی وارست - مُرد   ہر کہ با بیگانگاں پیوست - مُرد

ایسے مسلمان جو ملّتِ اسلامیہ سے اس لئے برگشتہ ہو جاتے ہیں کہ یہ نکبت و ادبار کے نرغے میں آچکی ہے - یہ دورِ انحطاط سے گذر رہی ہے - اس میں کوئی جاذبیت نہیں رہی - انھیں مخاطب کرکے فرماتے ہیں اور دیکھئے کہ کس دل گداز پیرایہ میں فرماتے ہیں کہ

کہن شاخے کہ زیرِ سایۂ او پر بر آوردی   چو گلبرش ریخت از وے آشیاں برداشتن ننگ است

ملّتِ اسلامیہ کا وہ شجرِ مقدس کہ جس کے سایہ میں تم پروان چڑھے - تمہارے جیسے بے بال و پر ناتوانوں کو جس نے وہ بازوئے شاہیں عطا کئے کہ جس سے تمہاری بلندیِ پرواز کی داستانیں زبان زدِ خلائق ہو گئیں - اگر آج اس درخت پر - خود تمہاری ہی بدولت - خزاں کا دور آگیا ہے تو اُسے چھوڑ کر کسی اور سرسبز ٹہنی پہ جا بسیرا کرنا دُنیائے خودداری میں بڑی ہی گری ہوئی بات ہے - مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے -

قَالَ صَلْعَم اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ - اَلْجَمَاعَةُ - وَالسَّمْعُ - وَالطَّاعَةُ - وَالْهِجْرَةُ - وَالْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - فَاِنَّهٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ - وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى - قَالَ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ -

حضورؐ نے فرمایا - میں تمھیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے -

جماعت (کے ساتھ رہو) (حکمِ امیر) سُنو اور (اس کی) اطاعت کرو (ضرورت پڑے تو اپنی عزیز ترین چیزوں کو بھی) چھوڑ دو - اور اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو - یاد رکھو - جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گیا - تو اسلام کا پٹہ اس کے گلے سے اُتر گیا - عرض کیا کہ یا رسول اللہ - خواہ وہ روزے رکھتا ہو اور نمازیں پڑھتا ہو (پھر بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا ؟) فرمایا ہاں ! خواہ وہ نمازیں پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور بزعمِ خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو (دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا)

اس لئے کہ

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ — ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے — کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بار سے
شاخِ بُریدہ سے سبق اندوز ہو کر تو — نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے

ملّت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ

نقد و نظر

اسلمانوں کی تعلیم

مصنفہ ڈاکٹر محمد افضال حسین صاحب قادری، لکچرار مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔

کانگریس کی وضع کردہ واردھا کی تعلیمی اسکیم سے قارئینِ طلوعِ اسلام خوب واقف ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ مسلمان بروقت متنبہ ہوگئے اور ان کی آیندہ نسلوں کی "خاموش شدھی" کی یہ سازش بروئے کار نہ آسکی لیکن اس امر کی ضرورت بدستور موجود ہے کہ مسلمان اپنے لئے خود ایک تعلیمی اسکیم تجویز کریں۔ اس باب میں مسلمانوں کے مختلف گوشوں میں مختلف کوششیں ہو رہی ہیں اور زیر نظر پمفلٹ اسی قسم کی کوشش کا نتیجہ ہے اس ۹۴ صفحہ کے پمفلٹ میں پہلے واردھا اسکیم کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں اور اس کے بعد مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے ایک تعلیمی اسکیم پیش کی گئی ہے۔ اگرچہ اس عالمگیر خلفشار کے زمانہ میں ذہنوں کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ سنجیدگی سے ایسے مسائل کو سوچ سکیں لیکن تعلیم کا مسئلہ بڑا بنیادی مسئلہ ہے اس لئے اس مسئلہ میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ڈاکٹر افضال حسین صاحب کی اس سعی و کاوش سے متمتع ہونا ضروری ہے۔ یہ پمفلٹ ابرار منزل۔ زین العابدین روڈ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بقیمت ۸ر فی نسخہ مل سکتا ہے۔

۲۔ ماہنامہ "اقبال" علی گڑھ

سالانہ چندہ للعہ روپیہ۔ قیمت فی پرچہ ۸ر آنہ۔ دفتر "اقبال" واقعہ شبلی روڈ۔ علی گڑھ سے مل سکتا ہے۔

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی یاد میں حلقۂ اقبال" علی گڑھ کی طرف سے یہ ماہنامہ جناب ظفر احمد صاحب صدیقی۔ ایم۔ اے علیگ کی زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔ اس وقت تک اس کے دو پرچے سامنے آئے ہیں۔ اس رسالہ کا مقصد۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے۔ حضرت علامہؒ کے پیغام کی اشاعت اور مسلمانوں کی زندگی کے مسائل کا حل اسلامی تعلیم میں تلاش کرنا ہے۔ ہماری ایک مدت سے آرزو تھی کہ علی گڑھ سے حضرت علامہ کے پیام کی نشر و اشاعت کا کوئی انتظام ہو سکے تو خوب ہو۔ کیونکہ پیام اقبال

کے اولیں اور حقیقی مخاطب وہ نوجوان ہیں جنھیں کل کو ملّتِ اسلامیہ بننا ہے۔ اگر ان نوجوانوں کے خیالات صحیح سانچے میں ڈھل جائیں تو ہمارا مستقبل خوشگوار امیدوں کا آئینہ دار ہو جائے۔ اربابِ حلقۂ اقبال مستحق تبریک ہیں کہ انہوں نے اس مقصدِ عظیم کی ابتدا کر دی ہے۔ ہم اپنے اس نووارد عزیز (اقبال) کا بہ صحیح قلب خیر مقدم کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ یہ کساد بازاری کی پُرخار وادیوں سے بخیر خوبی گذر جائے کہ راستہ بڑا صبر آزما واقع ہوا ہے۔

۳۔ خیبر اسلامیہ کالج۔ پشاور کا اردو۔ انگریزی۔ پشتو کا مرکب مجلّہ۔ عملہ ادارت میں ہونہار نوجوان طلبا (حضرات اساتذہ کی زیر نگرانی) کے نام زینتِ دہ فہرست ہیں پرچہ (مارچ۔ اپریل نمبر) سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اور مرتب و نگران حضرات کے حسن و ذوق کا آئینہ دار ہے۔ سیّد جمال الدین افغانی (علامہ اقبال، اور حضرت اکبر الٰہ آبادی (علیہ الرحمۃ) جیسی ہستیوں کے متعلق مضامین کا انتخاب مستقبل کے متعلق عمدہ امیدوں کی توقع دلاتا ہے۔ ہم سرحد کے ان نوجوان طلباء کو ان کی سعی و کاوش پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اور اُمید رکھتے ہیں کہ ان کے متعلق قوم کو جو توقعات ہیں وہ پوری کریں گے۔ ادبیات میں انہماک اچھی چیز ہے بشرطیکہ یہ نقطہ ہر وقت پیش نظر رہے کہ

بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

۴۔ دین جناب محمد عبد الجبار خیری۔ ازہری۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن) ایک عجیب و غریب ہستی ہیں۔ دنیا بھر کے علوم و فنون کی تحصیل کے بعد ایک دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اقوامِ عالم کے مد و جزر کا بہ چشم بینا مطالعہ کیا۔ فکر و نظر کی ان تمام وادیوں میں قرآنِ کریم کی شمع نورانی ہمیشہ ان کے لئے خضرِ راہ رہی اور ایمان و اعمالِ صالحہ سے مشروط استخلاف فی الارض ان کا مطمحِ نگاہ

زندگی کی بہت سی بہاریں انہی وادیوں میں بسر کیں اور اب کبرسنی و علالت اضمحلال کے ہاتھوں مجبور ہو کر دھلی کے ایک گمنام گوشہ میں بیٹھ گئے۔ لیکن ولولہ ہنوز زندہ اور تڑپ باقی ہے۔ چنانچہ کتاب زیر نظر سے معلوم ہوا کہ یہاں انہوں نے ایک جماعت مسلمین ہند (رابطہ) کی بنیاد رکھی ہے جس کے آپ امیر بھی ہیں (ہمیں اس جماعت کے اغراض و مقاصد اور نصابِ عمل کا علم نہیں) جناب خیری صاحب کی زیر نظر کتاب اسی جماعت نے "دھلی۔ پہاڑی املی۔ غرفہ" سے شائع کی ہے۔ اس میں یورپ کے حکماء کے اقوال و آراء اور دیگر ادیانِ عالم سے موازنہ کے بعد بتایا گیا ہے کہ آج دنیا میں اگر کسی مذہب کو "دین خداوندی" کہلانے کا دعویٰ ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے کیونکہ اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی "آسمانی کتاب" اپنی اصلی شکل میں دنیا میں موجود نہیں۔ اور ان کی جو تعلیم موجود ہے وہ "دین" بننے کے قابل نہیں۔ کتاب مفید معلومات کا مجموعہ ہے اور ۳۲۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ قیمت فی نسخہ دو روپیہ ہے۔ جناب خیری صاحب کی سعی و کاوش یقیناً مستحق تحسین ہے۔ لیکن ہم ان کی خدمت میں باادب گذارش کریں گے کہ "دین" کے متعلق ہم ان کے قلم سے اس کے علاوہ کچھ اور بھی دیکھنے کے متمنی تھے۔ "دین اسلام" وہ ضابطہ قوانین الٰہیہ ہے جو قوموں کی موت و حیات کے فیصلے کر رہا ہے۔ آج دنیا کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس خلفشار کے زمانہ میں قرآن کریم کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر کس طرح اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا سکتی ہے۔ اگر مبداء فیض نے کسی کو اپنی کرم گستری سے نوازا ہے تو اس کے لئے سب سے اہم کام آج دنیا کے سامنے قرآنِ کریم کو ایک زندہ حقیقت کی شکل میں پیش کرنا ہے۔ دنیا اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے گھروندوں کو خود اپنے پاؤں سے پامال کر رہی ہے۔ اس وقت اگر اسے قرآن دے دیا جائے تو دیکھئے وہ کس طرح اس کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے کے لئے لپکتی ہے۔

۵۔ زندگانی محمدؐ | سیرت نبی اکرمؐ سے متعلق اس دور میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں مصر کے مشہور روشن خیال محقق جناب علامہ محمد حسین ہیکل کی تصنیف یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ ہم نے جب اس کتاب کو دیکھا تو قوم کے نوجوانوں کی حالت پر افسوس ہوا کہ انھوں نے عربی

سے بیگانہ ہوکر اپنے آپ کو نہ صرف اپنے اسلاف کی متاع گراں مایہ سے ہی محروم الارث بنا لیا۔ بلکہ متاخرین کے علمی کارناموں سے بھی محروم رہ گئے۔ اب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے لیکن مسلمان نوجوانوں کی تہی دامنی کا کیا علاج کہ وہ تو اب فارسی سے بھی بیگانہ ہوچکے ہیں۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں دو نہایت معقول مقدمے بھی لکھے ہیں۔ جو حفاظت قرآن اور جمع حدیث سے متعلق ہیں۔ اور جن میں معجزات کا بھی ضمنی ذکر آگیا ہے۔ ایک میں "تجدید پسند" طبقہ کے اعتراضات کا جواب ہے دوسرے میں قدامت پسند مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جناب محمد حسین عرشی۔ امرتسری۔ کی نگہ انتخاب کی داد دیجئے کہ انہوں نے اس متاع گراں بہا کو پہچانا اور ان کو اردو کا لباس پہنا دیا۔ جسے اُمّتِ مسلمہ امرتسر کے ماہنامہ البیان نے اپنے جون نمبر کی شکل میں شائع کیا ہے۔ جناب عرشی صاحب کا حفاظت قرآن کریم سے متعلق۔ ایک مفید مضمون بھی آخر میں بڑھا دیا گیا ہے۔ جناب عرشی اور ارکانِ البیان اپنی اس سعی و کاوش کے لئے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہم جناب عرشی سے گذارش کریں گے کہ اگر انہیں "کشاکش ہستی" سے کچھ فرصت مل جائے تو وہ جناب ہیکل کی تمام و کمال کتاب کا ترجمہ کر دیں۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ قوم کے نوجوان طبقہ تک صحیح تعلیم پونہچانے کا یہی ایک ذریعہ باقی رہ گیا ہے۔

البیان کا زیر نظر پرچہ۔ دفتر اُمّتِ مسلمہ۔ امرتسر سے ۱۰ میں مل سکتا ہے۔

حقائق و عبر

۱۔ زرِ بہ لب چاندر لبوا (سی۔ پی) کا واقعہ اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اس کے متعلق تفصیل سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مختصر الفاظ میں ہوا یہ کہ ایک گاؤں میں ہندو مسلم فساد ہوا۔ حکومت کانگریس کی تھی۔ اس لئے گاؤں کے قریب قریب تمام مسلمان گرفتار کر لئے گئے۔ پولیس ہندوؤں کی تھی۔ اس لئے بڑے دھڑلے سے چالان ہوا۔ عدالت ہندوؤں کی تھی۔ اس لئے سب کو سنگین سزائیں دی گئیں۔ اُن کی خوش بختی کہ اتنے میں دور پلٹ گیا۔ سوراجی حکومت کا عہد ختم ہو گیا۔ مظلوم مسلمانوں کی اپیل ہائیکورٹ میں پہنچی۔ وہاں کے ایک غیر مسلم چیف جج نے جب مقدمہ کی تحقیق کی تو انگشت بدنداں رہ گیا۔ چنانچہ اس نے تمام ملزموں کو بری کیا۔ اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مقدمہ شروع سے اخیر تک ایک منظم سازش کے ماتحت عمل میں لایا گیا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے اہلکاروں سے لیکر ایوانِ حکومت کے بڑے بڑے اراکین تک شامل تھے۔ اس فیصلہ کا ملک میں چرچا ہوا۔ جرم اتنا سنگین اور واقعہ ایسا ہوشربا تھا کہ اس پر ہر مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم مسلسل دو ماہ سے دیکھا کئے کہ کیا اس انسانیت سوز سازش کے خلاف کانگریسی اربابِ حل و عقد کی زبان سے بھی کچھ نکلتا ہے؟ کیا مسلمان قومیت پرست حضرات کو بھی اس کا کچھ احساس ہوتا ہے؟ لیکن ہم یہ دیکھکر حیران رہ گئے کہ اس ہول انگیز واقعہ کے متعلق نہ تو گاندھی جی کی رگِ "مہاتمیت" پھڑکی۔ نہ ہائی کمانڈ کے کسی دوسرے فرد کی زبان میں کوئی جنبش پیدا ہوئی۔ نہ حقوقِ ملّتِ اسلامیہ کے سب سے بڑے محافظ۔ راشٹرپتی ابو لکلام صاحب آزاد کی خوابِ راحت میں کچھ فرق آیا۔ نہ حضرات علمائے عظام کے "نورانی" سینوں میں حرارتِ ایمانی کی کوئی تڑپ محسوس ہوئی۔ غرضیکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی اس ننگِ انسانیت واقعہ کے متعلق ایک لفظ کہا، نہ لکھا۔ یوپی کے ایک قومیت پرست اخبار نے اپنی روائتی گوم بازاری کو قائم رکھنے کے لئے مسٹر شکلا کو بُرا بھلا کہا اور وہ بھی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ فعل مسٹر شکلا کا ذاتی ہے۔ ہائی کمانڈ کا اس سے واسطہ نہیں۔ ہم مانے لیتے ہیں

کہ مسٹر شکلا نے جو کچھ کیا وہ ہائی کمانڈ کے علم و ایما کے بغیر کیا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب یہ بات ہائی کمانڈ کے علم میں آگئی۔ تو اس وقت ہائی کمانڈ نے کیا کیا؟ مسٹر شریف کی ایک حرکت ہائی کمانڈ کی مرضی کے خلاف ہوئی تو وہ بیچارا آج تک اس کی سزا بھگت رہا ہے۔ مسٹر کھرے کا ایک فیصلہ گاندھی جی کی چین ابرو کا موجب بنا تو وہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہوگیا۔ لیکن مسٹر شکلا اور اس کی حکومت کی اس بے داد گری کے متعلق کسی کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیا یہ محض اس لئے نہیں کہ اس واقعہ میں مسلمانوں کا گلا تھا اور ہندو کی چھری؟ ہندوؤں سے کوئی گلہ نہیں کہ ان سے عدل و انصاف کی توقع ہی بے سود ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں ان نیشنلسٹ حضرات سے جو ہندو کے ہر مسلم کش حربہ کو حق و انصاف ثابت کرنے کے لئے جھٹ سے گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے ہو جایا کرتے ہیں کہ اگر آپ اس تحیر انگیز واقعہ کو بھی جائز اور درست سمجھتے ہیں تو اس کی حمایت میں کیوں خاموش ہیں۔ اور اگر آپ کا ضمیر بھی کہہ رہا ہے کہ کانگریسی حکومت کا یہ کارنامہ واقعی شرمناک ہے تو پھر کونسی مصلحت کوشیاں ہیں جو آپ کے لب پر مہر سکوت لگائے ہوئے ہیں۔ اللہ اکبر! ایک غلام کی زندگی بھی کیسی کرب انگیز جہنم ہوتی ہے۔

۳۔ افلاس تدبر کانگریسی وزراء نے تاؤ میں آکر استعفے تو دیدیے لیکن اس کے بعد حالت یہ ہے کہ

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

حکومت اور ایسی عمدہ حکومت کہ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لکھا ہے۔ دودھ سارا ہندو کا اور گائے کے سینگ انگریز کے ہاتھ میں۔ کہئے کہ ایسا لہو منہ لگا کیسے چھوٹ سکتا تھا نتیجہ یہ کہ محفل سے نکالے گئے تو گلی میں آبیٹھے کہ شاید اب بھی کوئی منانے والا آجائے۔ جب پہروں کوئی نہ آیا تو لگے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کہ ہم نے تو محض دھونس جمائی تھی یہ تو سچ مچ دیس نکالا مل گیا۔ کچھ وقت ادھر ادھر گھومے۔ جب پھر بھی کسی نے نہ پوچھا تو اب خود ہی تجویزیں پیش ہو رہی ہیں کہ پتہ نہیں انگریز

کو کیا ہو گیا ہے۔ ملک پر ایسا نازک وقت آ رہا ہے اور یہ ذمہ دار حکومتیں قائم کرنے کا خیال ہی نہیں کرتا۔ گاندھی جی آئے دن لکھ رہے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے بالکل تیار بیٹھے ہیں لیکن نہ معلوم وائسرائے صاحب بہادر اِدھر کا رُخ کیوں نہیں کرتے اُدھر سے مسٹر راجہ گوپال اچاریہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ موجودہ تعطل کا واحد علاج ذمہ دار حکومتوں کا قیام ہے۔ دوسرے لیڈر انڈیا آفس تک کو آوازیں دے رہے ہیں کہ جناب وزیر ہند کو چاہیئے کہ کسی طرح سب کچھ چھوڑ چھاڑ ہوائی جہاز میں تشریف لائیں اور ہمیں منا کرلے جائیں۔

یہ ہے حال اس قوم کی متاعِ سیاست کا جو عقل و بصیرت سے کام لینا چھوڑ کر ایک اپنے جیسے انسان کو خدا بنا کر اس کی پرستش کرنے لگ جائے۔

۳۔ تضادِ خیالات

اب ذرا اس خود ساختہ "خدا" کی اصول پرستی ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ گزشتہ دو تین ماہ کے ہریجن کے پرچے اُٹھائیے اور دیکھئے کہ ان میں کس قدر متضاد بیانات ملتے ہیں۔ اعلانِ جنگ سننے کے بعد گاندھی جی وائسریگل لاج میں گئے۔ وہاں انھیں اس تصور سے غش آگیا کہ اُف! نازیوں کے ہاتھوں قصرِ ابیض اور ویسٹ منسٹر ایسے حسین عمارات کھنڈرات کا ڈھیر بن جائینگی! یہ جذبہ بہت خوب تھا۔ نوعِ انسانی کے سچے ہمدرد کو انسانیت کی ہلاکت اور بربادی کے تصور سے ایسا ہی ہو جانا چاہیئے تھا۔ چنانچہ انھوں نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ انگریزوں کے ساتھ انھیں لاکھ اختلاف ہو۔ وہ اس نازک وقت میں انھیں ہرگز تنگ نہیں کریں گے۔

بہت اچھا۔ یہ جذبہ بھی مستحسن تھا مصیبت کے وقت دشمن کی بھی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن اس کے بعد جب انھیں وارِدھا پہنچ کر غش سے ہوش آیا تو انہی وائسرائے صاحب بہادر سے دریافت کیا گیا جن کے حضور خون کے آنسو روتے آئے تھے۔ کہ حضور۔ یہ تو فرمایئے کہ اس جنگ سے آپ کے مقاصد کیا ہیں؟ ہندوؤں کو سوراج بھی دیا جاتا ہے یا نہیں! ہم تو اپنی مدد کا وعدہ

اس صورت میں کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں مسلمانوں پر بے غل وغش حکومت کا مستاجری پٹہ عطا کر دیا جائے۔ ورنہ ہم سے کوئی اُمید نہ رکھئے۔ دنیا حیران تھی کہ طوطے کی طرح آنکھیں بدلنے والے وہی مہاتما جی ہیں۔ وائسرائے صاحب نے مقاصد جنگ کی تبشین کی۔ لیکن گاندھی جی نے سرہلا دیا۔ اور واپس پہنچ کر ستیہ گرہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اُدھر سے کچھ توقع بندھ گئی تو پھر کہدیا کہ نہیں نہیں میں ایسے نازک وقت میں انگریز کو بالکل تنگ نہیں کرنا چاہتا" (انڈین پنڈت انڈیا ۹ رجون سنہ ۱۹۴۰ء) جب پھر اِدھر اُدھر سے کچھ کے ملے کہ اعلان کیا تھا تو اب ستیہ گرہ شروع کیوں نہیں کیا جاتا۔ تو انہیں یہ کہکر خاموش کر دیا کہ بھلے میاں! ملک سول نافرمانی کے لئے تیار کب ہے! چنانچہ آپ حیران ہوں گے۔ ایک ہی مضمون میں۔ ایک ہی وقت میں گاندھی جی لکھتے ہیں۔

"موجودہ ماحول اس امر کے لئے سازگار نہیں کہ ہم سول نافرمانی سے حکومت برطانیہ کو تنگ کر کے ٹھیک راستہ پر لے آئیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر اس وقت کوئی اس قسم کا قدم اٹھایا گیا تو یہ انگریزوں کی پریشانی کا موجب ہوگا"

(ہندوستان ٹائمز ۲ جون سنہ ۱۹۴۰ء)

اور اس کے ساتھ ہی یہ ہے۔

"اگر ملک میں عدم تشدد اور ضبط و انضباط موجود ہو جائے تو میں فی الفور سول نافرمانی کا اعلان کر دوں گا" (ہندوستان ٹائمز ۲ جون سنہ ۱۹۴۰ء)

اس سے پہلے آپ یہ فرما چکے تھے کہ

"میرا خیال ہے کہ سول نافرمانی کی روک تھام کانگریس اور حکومت دونوں کا مشترکہ مقصد ہے۔ میں سول نافرمانی کو روکنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں"

(انڈین پنڈت انڈیا ۱۹ رمئی سنہ ۱۹۴۰ء)

اب کوئی پوچھے ان "مہاتما جی" سے کہ ان متضاد باتوں میں سے کونسی بات درست ہے۔ کیا آپ اس لئے سول نافرمانی نہیں کرنا چاہتے کہ اس سے انگریز پریشان ہوگا یا اس لئے کہ ملک تیار نہیں ہے؟

اور پھر وہ "اندر کی روشنی" کا بلب (Bulb) کیا ہوا!

اللہ اکبر! یہ ہے وہ "عظیم الشان روح" جس کی "ستھارا رہنمائی" جناب راشٹرپتی صاحب کے اعلان کے مطابق "تمام کامیابیوں کی ضامن" ہے۔

۴۔ تشدد اور عدم تشدد پھر اس ستیہ کے دیوتا۔ اہمسا کے اوتار کا ایک اور اصول ملاحظہ فرمائیے۔ گاندھی جی اپنے آپ کو عدم تشدد (اہمسا) (Non-voilence) کے پرستار بتاتے ہیں۔ اور ساری دنیا کی مشکلات کا حل اسی کے اندر بیان کرتے ہیں چنانچہ خان عبدالغفار خاں صاحب کی وساطت سے سرحد میں اہمسا کی عام تلقین کی جاتی ہے۔ لیکن خود گاندھی جی کی یہ حالت ہے کہ جب سکھر میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو گاندھی جی نے وہاں کے ہندوؤں کو صاف صاف لکھدیا کہ اپنی حفاظت ہر طریقے سے کرو۔ خواہ تشدد سے خواہ عدم تشدد سے۔ اسی طرح اب بھی ان کے سامنے ایک مزعومہ خطرہ نمودار ہوا۔ انہیں ڈر ہے کہ جنگ کی وجہ سے ممکن ہے ملک میں خلفشار پیدا ہو جائے۔ اور "غنڈے" شرفاء کو تنگ کریں۔ اس لئے وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو "ان کے ارشادات پر کان دھرتے ہیں" یعنی لامحالہ ہندوؤں سے کہ

"یاد رکھو۔ غنڈے ان لوگوں میں کبھی بار نہیں پا سکتے جو اپنی حفاظت آپ کر سکتے ہیں۔ عدم تشدد سے یا تشدد سے۔۔۔۔۔۔ اگر آپ ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریق کے ذریعے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو حکومت اپنی سعیِ بسیار کے باوجود آپ کی حفاظت نہیں کر سکے گی"

(ہندوستان ٹائمز ۹ جون سنہ ۱۹۴۰ء)

چنانچہ اہمسا کے اوتار کے اس اپدیش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں نے دھڑا دھڑ تشدد کے حربوں کے ذخائر جمع کرنے شروع کر دئے ہیں۔

یہ ہیں مہاتما جی!

اقلیتوں کی حیثیت

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کشمیر کی ایک تقریر کے دوران میں فرماتے ہیں۔

"خواہ کتنے ہی تحفظات کیوں نہ دیدئے جائیں اقلیت ہمیشہ اقلیت رہیگی۔ اکثریت نہیں بن جائے گی" (ہندوستان ٹائمز ۴ جون ۱۹۴۰ء)

اور یہی پنڈت جی اپنی سوانح عمری میں لکھ چکے ہیں۔

"دراصل جمہوری حکومت کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت اقلیتوں کو ڈرا دھمکا کر اپنے قابو میں رکھتی ہے" (میری کہانی جلد دوم صفحہ ۴۵۵)

اب اس کے بعد ان نیشنلسٹ مسلمانوں سے پوچھئے جو کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جوق درجوق کانگریس میں شریک ہو کر اس پر قبضہ کرلیں۔

یا پھر ان سے جو کہتے ہیں کہ جب کانگرس مسلمانوں کو ضروری تحفظات دینے پر آمادہ ہے تو پھر خطرہ کس بات کا ہے۔ کہ جب اقلیت بہرحال اقلیت ہی رہتی ہے اور اکثریت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اقلیت کو ڈرا کر دھمکا کر اپنے قابو میں رکھے۔ تو پھر مسلمان اقلیت اور ہندو اکثریت کا باہمی امتزاج کیسے ہو سکتا ہے! کیا اس کشمکش کا بہترین حل یہی نہیں کہ اقلیت اور اکثریت تا بحدِ امکان الگ الگ رہیں۔ لیکن اس سے چونکہ ہندو اکثریت مسلم اقلیت کو ڈرا دھمکا کر قبضہ میں نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے وہ اس تجویز پر کیوں کر آمادہ ہو سکتی ہے! یہ ہے رازِ علیحدگی کی اسکیم کی مخالفت کا۔ جو ہندو سرمایہ دار مسلمان غدارانِ ملّت کے ہاتھوں سے کرا رہا ہے۔

پھر وہی "فتوی بازی"

ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں کہ جب گاندھی جی کو اسلام کے متعلق کچھ واقفیت نہیں تو وہ اس مذہب کے متعلق آئے دن فتوے کیوں صادر فرماتے رہتے ہیں لیکن وہ جب دیکھتے ہیں کہ خیر سے مسلمانوں کے "علماء عظام" ان کے ان فتوٰی کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتے۔ سرخیل علماء جناب راشٹرپتی ابوالکلام صاحب آزاد کبھی لب کشائی نہیں کرتے۔ تو وہ اس قسم کی ابلہ فریبی سے کیوں باز رہیں۔ چنانچہ آپ پھر فرماتے ہیں کہ۔

"اگر مذہب کو علیٰ حالہٖ رہنے دیا جائے یعنی ایک نجی معاملہ (خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق۔ تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کریں گے کہ یہ دونوں ایک مشترکہ زندگی بسر کریں۔ اور ان کی (راہ عمل بھی مشترکہ ہو۔ مذاہب انسانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ وہ انھیں ایک رشتہ میں پرونے کے لئے ہیں۔"

(ہندوستان ٹائمز $\frac{6}{47}$ 9)

پہلی شق کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے کیونکہ اس کے متعلق اس سے پیشتر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ باقی رہی دوسری شق۔ سو ہم باادب گذارش کریں گے کہ بیشک مذہب انسانوں کو ایک رشتہ میں پرونے کے لئے آیا ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک یہ رشتہ صرف ایمان ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رشتہ ایسا نہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے پیوست کر سکے۔ اسلام کا مقدم فریضہ کفر و ایمان میں ایک بین۔ واضح اور غیر مبہم تفریق و تمیز پیدا کرنا ہے۔ گاندھی جی کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر نماز گذار مسلمان۔ دن بھر کے کاروبار کے بعد۔ اپنی آخری نماز کی آخری رکعت میں اپنے اللہ کے حضور جن باتوں کا اقرار کرتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ

وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ط

"اے اللہ ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور اسے بالکل چھوڑتے ہیں۔ جو تیرے احکام کی نافرمانی کرتا ہے۔"

"ہمیں بھلا اس سے واسطہ کیا ہے جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں؟" اب اگر "مولانا" آزاد یا دیگر مولانا حضرات رات کی نماز میں اپنے رب سے اس امر کا اقرار بھی کریں اور صبح اٹھ کر کفار و فجار سے دوستی کی پینگیں بھی بڑھائیں تو اس کا اسلام تو ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

مصیبت ساری اتنی ہے کہ "گاندھی جی" کے گرد و پیش گھومنے والے "مسلمانوں" میں کسی میں اتنی جرأت ایمانی نہیں ہے کہ وہ انھیں بتائے کہ صحیح اسلام کسے کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ

انھیں صحیح اسلام سے آگاہ کردیں تو فوراً گاندھی جی کا دوسرا سوال یہ ہوگا کہ اگر اسلام یہ ہے تو پھر آپ کے موجودہ مسلک کے جواز کی از روئے اسلام کیا دلیل ہے!

مسٹر جناح کا گناہ

ہمارے قومیت پرست حضرات کو جب لیگ اور مسٹر جناح کے خلاف اور کچھ نہیں سوجھتا تو یہ کہکر اپنا "حق نمک" ادا کر دیتے ہیں کہ "جناح ٹوڈی ہے۔ سرکار پرست ہے۔ آزادی کا دشمن ہے" وغیرہ وغیرہ لیکن سُنئے کہ اس "ٹوڈی اور سرکار پرست" جناح کے متعلق ان نیشنلسٹ حضرات کے آقایانِ نعمت کے کیا خیالات ہیں۔ مسٹر ستیہ مورتی اپنے ایک مضمون کے دوران میں فرماتے ہیں۔

"(بھلا پوچھئے تو سہی کہ) مسٹر جناح نے آج تک جنگ کے سلسلہ میں سرکار کو کیا امداد دی ہے۔ یہی امداد کہ انھوں نے برملا اعلان کر دیا۔ اور اس اعلان کی آج تک تردید نہیں کی، کہ ہندی مسلمانوں کی وہ فوجیں جو بیرون ہند بھیجی گئی ہیں۔ انھیں اسلامی ممالک کے خلاف نہ لڑایا جائے خواہ وہ ممالک برطانیہ عظمیٰ کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یہ امداد کہ جب (دہلی میں) کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے جنگ کے سلسلہ میں کانفرنس طلب کی تو مسٹر جناح نے اسمیں شرکت سے صاف انکار کر دیا۔" (ہندوستان ٹائمز ۱۱/۹/۴۰)

اسکے بعد مسٹر ستیہ مورتی تحریر فرماتے ہیں کہ ملک میں مخلوط حکومتوں کی تشکیل ناممکن ہے اس لئے کہ کانگرس مسلم لیگ کے ساتھ ملکر مخلوط حکومت کس طرح قائم کر سکتی ہے جس لیگ کا نصب العین۔

"ملک میں اسلامی حکومت کا احیا ہو" (ہندوستان ٹائمز ۱۱/۹/۴۰)

ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اس بیان کا جذبہ محرکہ کیا ہے لیکن ہم اپنے قومیت پرست بھائیوں سے صرف اتنی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ایک غیر مسلم۔ ذمہ دار کانگریسی کے اس بیان کو پڑھیں۔ اور خود ہی سوچیں کہ جس جناح اور لیگ کے متعلق ان کے بدترین دشمنوں کی یہ رائے ہو ان پر ٹوڈیٹ اور سرکار پرستی کا لیبل لگا کر بزعمِ خویش خوش ہو لینا۔ اپنا مضحکہ اڑانا نہیں تو اور کیا ہے۔

تازیانۂ عبرت

(شمس العلماء حافظ سید محبّ الحق صاحب پٹنہ)

جناب حافظ صاحب مدظلہ العالی کا زیر نظر مضمون "مرقع عبرت" کے عنوان سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوا تھا لیکن چونکہ اس کی اشاعت محدود حلقہ میں رہی اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ عام اشاعت کی غرض سے اسے طلوع اسلام میں شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ جناب مصنف نے بکمال عنایت اس مضمون پر نظر ثانی فرمائی اور اکثر مقامات میں رد و بدل فرما کر طلوع اسلام میں اشاعت کے لئے ارسال فرمایا جس کے لئے ہم ان کے بصمیم قلب سپاس گذار ہیں۔ نہ مضمون کے متعلق کسی تمہید کی ضرورت ہے کہ مضمون اپنی اہمیت کا آپ آئینہ دار ہے۔ اور نہ ہی جناب مصنف کسی تعارف کے محتاج کہ آپ کا تبحر علمی اہل علم کے حلقہ میں مسلم ہے درخواست اتنی ہے کہ اس مضمون کو پوری توجہ سے پڑھئے کہ یہ گہرے غور و تدبر کا مستحق ہے۔ طلوع اسلام۔

ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون ۔ (لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی و تری میں فساد برپا ہوا تاکہ خدا ان کو ان کی کرتوں کا مزہ چکھائے تاکہ وہ رجوع کریں) ؎

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

یہ حال تو ساری دنیا کا ہو رہا ہے۔ مگر مجھے اس وقت ساری دنیا سے مطلب نہیں۔ میرا تخاطب

مسلمانوں سے ہے۔ جو سب سے بدترین حال میں پہنچ گئے ہیں جس کے ماتی خود مسلمان ہیں۔ یہ کوئی راز نہیں، کھلا کھلا مشاہدہ ہے، بدیہیات میں داخل۔ خلافت کھوئی سلطنت ڈبوئی، اسلام سے منہ موڑا، ایمان کو خیرباد کہا، عزت و آبرو سے دست بردار ہوئے اور کیا رکھا سب ہی کچھ کھو بیٹھے۔

یہ بگڑے کیوں؟ اس سے پہلے یہ پوچھو کہ یہ بنے تھے کیوں؟ تو اس کو ہم تم کو بتائیں۔ خدا نے نبی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المرسلین بنا کر بھیجا۔ آپ نے اعلان کیا اور سنا دی کرائی

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جو اس پر ایمان لائے، دل سے تصدیق کرے، اور عمل سے اس کا ثبوت دے، وہ مسلمان ہے۔ وہ خدا کا اور خدا اُس کا، وہ ہمارا، اور ہم اُس کے، اس لئے پہلے میں ان دونوں کلموں کی حقیقت کو پھر بتا دوں، اور سمجھا دوں، تاکہ حقیقت آشکارا ہو کہ آپ نے کس طرح ان دو جملوں میں دونوں جہان کو سمیٹا۔ لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، خدا ہی معبود ہے۔ عبادت اُسی کی، تو لازماً ہم اُسی کے عابد اور عبد ہوئے۔ عبادت کے معنی فرمان پر چلنے کے ہیں یعنی اس کا زبان و دل سے اقرار ہے کہ ہم خدا ہی کے فرمان پر چلیں گے، کسی دوسرے کے فرمان پر نہیں۔ یہی شان ہے عبد اور عبودیت کی۔ اس سے ہوا یہ کہ سارے انعام الٰہیہ، اور سارے قویٰ اور قوتیں خدا ہی کے فرمان پر چلنے لگیں۔ سارے اعمال کا مرجع اور سارے اعمال کے دوائر کا مرکز خدا ہو گیا۔ خود خدا نے اس کو پھر جتا بھی دیا۔ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم (اُس دن تم سے ساری نعمتوں سے باز پرس ہوگی) کہ تم خدا کی دی ہوئی ساری نعمتوں اور اپنے سارے قویٰ اور قوتوں کو کس طرح کام میں لائے جس طرح تمکو ہدایت کی گئی تھی) یا تم نے اُن کو اپنی نفسانی خواہشوں کے گلے کا ہار بنایا۔ یہ بنیاد تھی اصلاح نفس کی، اور یہ اصول تھا سارے اخلاق حسنہ کا۔ اس نے دنیا کی کایا پلٹ دی، اور مسلمانوں کی نظر خدا کی طرف لگ گئی۔ یوں خدا کی رضا کے طالب ہوئے، اور اُن کی دسترس ساری خلائی پر پہنچی۔ اُن کی زمین آسمان ہوگئی، اور ان کا آسمان عرش اعظم ہو گیا۔ یعنی وہ خدا کے ہو گئے، اور اُن کے سارے اعمال کا مرکز خدا ہو گیا۔ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین (میری نماز اور عبادتیں اور حیات و موت سب خدا کے لئے ہے جو رب العلمین ہے)

اسی طرح دوسرا جملہ **محمد رسول اللہ** کے معنی یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں خدا نے آپ کو بھیجا ہے کہ آپ خدا کا پیغام اُس کے بندوں کو پہونچائیں، اور خود اُس کی کامل تعمیل کرکے نمونہ بنیں اور یوں اُن کا سر خدا کے آگے جھکا دیں۔ اسی محمد رسول اللہ میں داخل ہوگیا ما ارسل یعنی کلام اللہ پر ایمان لانا، یہی قرآن کلام اللہ ہے، رحمت اللہ ہے، ہدایت اللہ ہے، جو اُس کے قانون فطرت کا وہ باب ہے جو محکمۂ انسان کے متعلق ہے) جو آپ نے یہ ایں فرمان لاکر دیا کہ **اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء** (قرآن کا اتباع کرتے رہنا کسی اور رفیق کا اتباع نہ کرنا) اور اُس کے حکم میں کسی کو بھی شریک نہ کرنا کہ **لا یشرک فی حکمہ احدا** (نہ اُس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا، یعنی کسی دوسرے کے فرمان پر نہ چلنا کہ **لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا**) بس اُسی کے ہوجانا۔ یہی خدا کی رضا ہے۔ اور یہی میری رضا ہے۔ قوم نے فرمان سنا، تعمیل کی، مراد کو پہنچی **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ**۔

مگر خدا کے قانون فطرت میں تغیر، تبدل، گردش، اور فنا، ہر چھوٹی بڑی مخلوق کے لئے لازمی اور ناگزیر ہے **کل من علیھا فان** (ہر چیز ہر وقت فنا ہو رہی ہے) بنتی بھی ہے، بگڑتی بھی ہے، بقا خدا ہی کے لئے ہے۔ **ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام**۔ پھر مسلمان ایک حال پر کیوں رہتے۔ بنا تھا، بنے، پھر بگڑنا تھا بگڑے۔ باطن بھی بدلا، ظاہر بھی، پھوٹ بھی پڑی، ہوا بھی اکھڑی، کمزوری بھی آئی۔ آئی تو ایسی کہ ہاتھ سے تلوار بھی چھوٹی۔ پھر کیا تھا، مرے پر سو دُرّے، جو آیا ایک وار لگا گیا۔

ایسا کیوں ہوا؟ تو یہ بھی سنت اللہ ہے جو ہر قوموں میں ہوا کیا **فطال علیھم الامد فقست قلوبھم** (امتداد زمانہ سے اُن کے قلوب سخت ہوگئے)

جب یہ حال ہوتا ہے، اور جب جب ایسا ہوا ہے تو تباہی کی پہلی چیز اور پہلا عذاب جو آتا ہے وہ آپس کی پھوٹ، البغض وعناد۔ آپس میں سرکشی اور عداوت کے سمّی درخت، نفس پرستی، خود غرضی، ہوا و ہوس کی زمین میں پھولتے پھلتے اور کھانے والوں کو ہلاکت کی نیند سُلا دیتے ہیں۔ جو نیچا، ہلاکت سے نہ بچ رہا وہ شیطان کی ذریات میں داخل ہوا۔ شیطان **واجلب علیھم بخیلک ورجلک** کا اجازت نامہ لیکر اپنے سوار و پیادہ فوج دوڑاتا ہوا آتا ہے۔ اور اپنا مطیع و منقاد بناتا ہے۔ پھر تو خدا کی سلطنت کی جگہ شیطانی سلطنت ہوجاتی

ہے۔ جو آج دنیا کا حال ہو رہا ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ سے احتراز نہ کیا اور شیطان کی ہدایت پر چلے تو خدا نے کیا فرمایا کہ بہشت سے نکل جاؤ، اور یاد رکھو شیطان کے کہے پر چلنے کا نتیجہ یہی ہے بعضکم لبعض عدو ایک دوسرے کا دشمن ہو۔ یہی قانون جاری رہا، جاری ہے اور جاری رہے گا۔ جب تک خدا کو چھوڑ کر شیطان کے فرمان پر لوگ چلتے رہیں گے۔ اس میں یوروپین ہوں یا ایشائی مسلمان ہوں یا عیسائی۔ بعضکم لبعض عدو کی آگ برستی رہے گی۔

پھر مسلمانوں میں اتنے اختلافات اور بعضکم لبعض عدو یعنی آپس کے جھگڑوں کی بنیاد، جو مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئے کہاں سے پڑی۔ تو میں کسی کو کیوں نام دھروں جب خود خدا ہی نے بتا دیا ہے۔ وما اختلف الذین اوتوا لکتاب الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم (جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کے علما نے آپس کی عناد و سرکشی سے اختلاف ڈالا) ان اختلافات کا نتیجہ کیا ہوا کہ لوگوں نے کتاب اللہ ضائع کی، اور جھگڑوں کی کتابوں سے چٹخارے لینے لگے، یہاں تک کہ جو یہود و نصاریٰ میں ہوا اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا اللہ الھا واحدا (انھوں نے علماء و فقرا اور مسیح ابن مریم کو بھی خدا کو چھوڑ کر اپنا رب بنا لیا ہے۔ حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد ہی کے فرمان پر چلنا) یہی مسلمانوں میں ہوا۔ یہ گویا سنت اللہ ہے۔ اسی لئے خدا نے اوتوا الکتاب فرمایا کہ جن کو کتاب دی گئی اُن کا آخر یہی حشر ہوا کہ وہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر علماء و فقرا کے بندے بن گئے۔ آپس کے اختلافات اور جھگڑے تو خدا کا عذاب ہے۔ قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض (اے رسول منادی کر دو کہ خدا قادر ہے۔ کہ تم پر اوپر اور نیچے سے عذاب بھیجے یا تم کو گروہ در گروہ کر دے کہ ایک دوسرے سے جنگ آزمائی کا مزا چکھائے) وہ عذاب آ کر رہا۔

ڈھائی تین سو برسوں تک جب تک قرآن مجید کا سکہ خدا و رسول کا جاری کیا ہوا جاری رہا مسلمان ترقی کے اُن منازل پر پہنچے جن کو ترقی کی معراج سمجھنا زیبا ہے۔ ظاہری ترقی بھی، باطنی ترقی بھی ظاہری پاکی

کے ساتھ بھی، باطنی پاکی کے ساتھ بھی، اور محبت واخلاص اور ایمانی پاکی کے ساتھ بھی۔ کہ یکایک مسلمانوں میں پھوٹ پڑی، ان میں سے ایک فرقہ نکلا جس نے قرآن پر ہاتھ صاف کرنے اور رسول پر اتہام کی شیرازہ بندی میں لگ گیا جس نے اسلام کو فرقہ بندیوں میں ٹکڑے ٹکرے کر کے پاش پاش کر دیا۔ اس کی حقیقت یوں ہے

خدا تو علام الغیوب ہے، جو ہوا جو ہو رہا تھا، اور جو ہونیکو تھا سب کا علیم وخبیر ہے۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی کتابیں جتنے دنیا میں بھیجیں کوئی ایک بھی رہی نہیں۔ سب نے کتاب اللہ کو ضایع کیا۔ اور حدیثوں اور رطب و یابس تاریخوں کو دین بنا لیا ہے۔ دیکھو موجودہ توریت وانجیل ہیں اور ساری اُن کتابوں میں جو اور پیغمبروں کے نام نامی کے ساتھ منسوب ہیں جن کو کتاب اللہ کہنا بھی غلط ہے، کسی میں بھی خدا کا فرمان خدا کی طرف سے کہیں ہے؟ خدا کا نام بھی جگہ بہ جگہ ہے، تمام قول پیغمبر ہے جس کو حدیث کہو، وہ بھی صحیح نہیں، تاریخ کہو، وہ بھی صحیح نہیں۔ یا کرسی نامہ، یا خطوط کی ملاطفہ خوانی، گویا ملفوظات حواریین، یا شخصی قصیدہ گوئی، یا کرامت ومعجزات، یا مذبح کی آراستگی، یا سوختنی قربانی کی رسمیں، اور لایعنی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ کیا خدا کی کتاب ایسی ہی ہونا چاہیے۔ خدا کیا، خدا کیسا، خدا کی مرضی کیا ہے، اُس کی عبادت کیا ہے، ندارد۔ ایمان باللہ کی جگہ تمام ایمان بالرسول پر زور۔ یوم آخرت، اور آخرت کی زندگی، اور پرسش اعمال اور جزا و سزا کی نسبت کچھ نہیں سب آسمانی بادشاہت کے اندر ہے۔ مقصود بالذات مصر کی بادشاہت ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں جو اب سوکھ گئی ہیں۔ یہ خدا کی کتاب نہیں وہ تو ضایع ہوئی، یہ انسانی کتاب ہے، انسانی تصنیف۔ اس کا لکھنا میرے موضوع سے باہر ہے۔ ہاں جس طرح یہود ونصاریٰ باوجود تثلیث کے کفر کے یہود ونصاریٰ اور اہل کتاب کہے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کتابوں کو توریت وانجیل کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان کا یہی نام پڑ گیا ہے۔ اس لئے خدا نے بھی ان کو انہیں ناموں سے ملقب کیا۔ اور توریت وانجیل یہی کہا، ہم بھی کہتے ہیں۔ مگر توریت وانجیل منزل کہاں رہی۔ چونکہ یہ حدیث ہے، یا ملفوظات، یا مکتوبات حواریین اس لئے اس میں بھی خدا کی باتیں کچھ کچھ ملجاتی ہیں۔

خدائے علیم وخبیر اس کو جانتا تھا، اس لئے قرآن کی نسبت فرمان صادر ہوا۔ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون (اسی قرآن پر چاہیئے کہ لوگ خوشیاں منائیں یہ اُس سے بہتر ہے جو لوگ جمع کر رہے ہیں بعضوں نے حدیث جمع کرنا شروع کر دیا تھا اُس کی امتناع آئی۔ اسی کی تبلیغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمائی، اور حکم صادر فرمایا کہ لا تکتبوا عنی سوی القرآن فمن کتب عنی شیئاً فلیمحہ قرآن کے سوا ہم سے کچھ نہ لکھو، جس کسی نے کچھ لکھا ہو اُس کو مٹا دے۔ مگر مسلمانوں نے دل کھول کر اس کی نافرمانی کی۔ خلفاء اولاالامر نے بھی اس کی تبلیغ تہدید آگی کہ اس سے بچو ورنہ تمہارا حال بھی بنی اسرائیل کا ہو جائیگا، نمونہ سامنے ہے تم بھی کتاب اللہ چھوڑ کر راویوں کے ایمان پر چلنے لگوگے۔ مسلمانوں نے اس کو بھی ٹھکرا دیا۔ مگر جو اُنہوں نے کہا تھا وہ ہو کر رہا۔ آج انہیں کا کہا ہوا پورا ہو رہا ہے۔

دو ڈھائی صدی کے بعد جب ان امتناعوں کا اثر مٹا تو لوگ روائتوں کے جمع کرنے پر پڑ گئے۔ قوم نے عزت افزائی کی، سلطنت نے پشت پناہی کی جس سے عزّت وسطوت دوبالا ہوئی لوگوں نے اس میں جاہ و جلال کا مظاہرہ دیکھکر مصیبتیں جھیل جھیل کر روائتوں کا انبار لگا دیا۔ ادر اسرائیلیات اور افسانوں کے لئے رخنے ڈال دیے گئے۔ اندھی عقیدت نے بغیر درایت اور بغیر قرآن پر جانچے ہوئے جو حق و باطل کی خدائی ترازو ہے کہ انزل الکتاب بالحق والمیزان سب کو رسول کی حدیث کہنے اور ماننے لگ گئے۔ یہ رسول کی اطاعت نہیں، نافرمانی تھی۔ اس پر سخت کوششیں کی گئیں کہ کسی طرح ان کا سلسلہ رسوؐل تک یا صحابہؓ عظام تک جوڑا جائے۔ اس پر بھی الفاظ رسول کے حاصل نہ ہو سکے۔ تو اپنی ڈفلی اپنا راگ راویوں نے اپنی اپنی سمجھ سے روایت کی، مگر معتقدوں نے سب کو رسول اللہ صلعم کا قول بنا دیا۔ اور غلط بیانی کی تہدید سے مطلقاً نہ ڈرے۔ اس کی ساری حقیقت تو اسماء رجال کی تحقیقات سے منکشف ہوتی ہے۔ بایں بناء اختلاف ہونا لازمی تھا جو ہو کر رہا۔ اس نے فرقہ بندی کی بنیاد ڈالی، جو ممنوع خداوندی تھی کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (قرآن کو مضبوط دھر لو اور فرقہ بندی نہ قائم کرو) ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا (مشرکوں میں نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی قائم کی اور گروہ در گروہ ہو گئے) خدا کی آیتوں کا شنوا کون راویوں نے روایتوں کی سنگینیں تان کر قرآن پر حملہ بول دیا۔ مثلاً۔

کسی نے کہا کہ رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے تو کیا ہوا روائتی تاریخ سے تو ثابت ہے کہ آپ نے اپنی تبلیغ کے خلاف فاجلدوا کی جگہ فارجموا کا حکم دیا۔ یہ بھی ما انزل اللہ ہوا۔ کیونکہ کیا کتاب اللہ میں حدیث

کی کتابیں جو خدا اور رسول کے علم میں لکھی جانے کو تیس داخل نہیں ہیں۔ کیا متروک التلاوۃ آیتیں نہیں ہیں۔ خدا نے آیتوں کی حفاظت نہ کی، تو کیا اس سے راوی غلط گو ہو جائیں گے۔ کبھی ہو سکتا ہے۔

کسی نے کہا، کسی نے کیا معنی کہ سب نے کہا کہ اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ (جب تم زید سے کہہ رہے تھے کہ بیوی کو طلاق نہ دو اور خدا کے متقی بنو اور تم دل میں چھپاتے ہو جسے خدا ظاہر کرکے رہے گا۔ تم لوگوں سے ڈرتے ہو خدا سے ڈرو)

سارے علما و راویوں کی حمایت میں خلاف طرز کلام زبردستی بے وجہ بے بنیاد بول اُٹھے کہ تخفی فی نفسک سے رسول مخاطب ہوئے ہیں کیونکہ ہمارے مقدس راویوں کی ہی روایت یوں ہی ہے۔ کہ رسول کی نیت تھی کہ بعد از طلاق حضرت زینب سے ہم نکاح کرلیں گے۔ مگر نعوذ باللہ منافقانہ فرماتے تھے کہ تم طلاق نہ دو۔ اس نفاق کے بہتان سے تسکین نہ ہوئی تو دوسرا نشانہ کیا کہ آپ بجائے خدا لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اس لئے منافقانہ فرما رہے تھے کہ طلاق نہ دو۔ کیونکہ اسی کے بعد ہی خدا نے رسول سے کہا کہ ہم مستحق ہیں کہ ہم سے ڈرو تم لوگوں سے غلط ڈرتے ہو۔ تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ۔

مگر رسول تو تھے خدا کے، تو خدا اتہام سے کیسے بچ سکتا تھا۔ کیونکہ خدا نے ابھی کہا کہ تم لوگوں سے ڈرتے ہو اور اس کے بعد ہی کی آیت ہے۔ الذین یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ (جو لوگ تبلیغ رسالت کرتے ہیں وہ خدا کے سوا کسی سے ڈرتے ہی نہیں) جب تو تبلیغ کرتے ہیں۔ تو یہ عجیب معاملہ ہے کہ خدا ہی کہتا ہے کہ تم بجائے خدا کے لوگوں سے ڈرتے ہو، پھر خدا ہی کہتا ہے کہ تم تبلیغ رسالت کرتے ہو تمہاری یہ شان ہی نہیں کہ کسی سے ڈرو۔ اُس سے ثابت ہوا کہ آپ لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نہیں ڈرتے تھے۔ راویوں کے پیچھے دونوں پر ہاتھ صاف ہوا اور غیر قوموں کو بھی سخت کلامیوں کا مواد بہم پہنچایا۔ حالانکہ اذ تقول سے صاف صاف کھلا ہوا ہے کہ اس پوری آیت میں رسول اکرم صلعم کا تخاطب حضرت زید سے ہے۔ نہ کہ خدا کا تخاطب رسول سے آیت اوپر بھی لکھ دی ہے پھر سے پڑھ لو۔

خدا نے وصیت فرض کی۔ تو وصیت والدین اور اقربوں ہی کے حق میں فرض کی کہ الوصیۃ للوالدین والاقربین حدیث بیان ہوتی ہے کہ لا وصیۃ للوارث یعنی قرآن کے صریح خلاف رسول کی تبلیغ بیان کی جاتی ہے نعوذ باللہ پھر کیا تھا علما نے وصیت کی آیت کو منسوخ کیا اور ترکہ کی کوئی آیت قرآن میں ہے نہیں۔ وہ وصیت ہی کی آیت ہے جس کو ترکہ کی آیت مان کر قرآن کے نسخ کا شوق پورا کیا گیا یوصیکم اللہ فی اولادکم یہ وصیت ہی کی آیت ہے۔ مال وصیت سے بچ رہا یا وصیت نہ کر سکا تو اس کی طرف سے یہ خدا نے وصیت کر دی۔ یوصیکم اللہ سے ابتدا کی اور وصیۃ من اللہ پر ختم کیا۔ اگر مال وصیت سے بچ رہا تو خدا نے وصیت کر دی۔ اس لئے تینوں آیتوں میں من بعد وصیۃ ہے۔ یہ وصیت کی ناسخ نہیں وصیت کی موید ہے۔ علما نے وصیت ہی کی آیت سے وصیت کی آیت کو جو شدت سے فرض کی گئی ہے کہ حقاً علی المتقین) منسوخ کیا۔ خدا کی آیت کو تو منسوخ کیا اور راویوں کے فرمان کے بموجب ثلث میں قائم کر دیا۔ ام لھم شرکوا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ۔ کیا ثلث میں وصیت کا فرمان کہیں قرآن میں ہے؟ یا شرکا و شریعت نے قائم کیا۔

اسی آیت پر کیا موقوف ہے۔ نسخ کی چھری نے تو نصف قرآن کو منسوخ کر دیا۔ اور ظلم تو یہاں تک کیا کہ قرآن قطعی کو حدیث ظنی سے بھی منسوخ کرنے میں خدا کا خوف نہ آیا۔ زانی و زانیہ کے لئے قرآنی حکم فاجلدوا ہے۔ اور حدیث کا حکم محصن و محصنہ کے لئے فارجموا ہے اور فارجموا قرآن میں کہیں نہیں۔ یہ دشمنانِ اسلام کی روایت ہے۔ واللہ یحکم لا معقب لحکمہ مثالاً یہ کافی ہیں۔ ورنہ اس مضمون کے لئے تو ایک بڑی کتاب درکار ہے۔ علما کو کفر کا فتویٰ دینے کے لئے اتنا کافی ہے جن کا فتویٰ ایک ادھورے جملہ پر ہوا کرتا ہے۔

غرض قرآن مجمل ناقابل عمل، بیکار، اور قرآن کے دعوے کے خلاف غیر مفصل قرار دیکو پیٹھ پیچھے پھینکا گیا اور اس کا مصرف ٹھہرا بے سمجھے تلاوت ثواب حاصل کرنے کے لئے، یا جھاڑ پھونک عملیات درود وظائف چہلم، چہارم، ہلاکت دشمن، فتحیابی مقدمات، توسیع رزق، وصال معشوقہ، حصول دولت یا آج کل جلسہ کی ابتدا کرنے کے لئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

خلاف حکم خدا و رسول و خلاف حکم اولوالامر ڈھائی صدیوں کے بعد حدیثوں کے جمع کرنے کی جتنی کچھ

بھی زحمتیں اٹھائی گئیں جن میں گویا رسول صلعم کے الفاظ مبارک بھی حاصل نہ ہوسکے کیا اس کا عشر عشیر بھی قرآن کے لئے کیا گیا۔ وہ قرآن جس کو خدا نے بھیجا، رسول لائے۔ رسول اُس کی تبلیغ کے مامور تھے۔ ہمیشہ اور ہر طرح سے اُس کی تبلیغ فرماتے رہے۔ جس کو ۲۳ برسوں تک اپنے سینۂ اقدس میں اپنے انفاس متبرکہ سے ہوا دے دے کر محفوظ رکھا اور قوم کو دے گئے۔ یہ ایں فرمان کہ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء (قرآن کا اتباع کرتے رہنا اور کسی دوسرے رفیق کا خدا کے سوا اتباع نہ کرنا) واضح رہے کہ ما انزل اللہ قرآن کے سوا اور کچھ نہیں۔ خدا و رسول کا منشا اور رضا معلوم ہونے کے بعد مسلمانوں کو لازم تھا کہ سینہ سپر ہو کر قرآن کے ہو جائیں۔ سینہ میں محفوظ رکھیں، سروں پر جگہ دیں، بغل میں دبائیں، اور شہر بہ شہر، ملک بہ ملک ہر قوم میں ہر قوم کی زبان میں ترجمہ کر کے قرآن کی تبلیغ کریں۔ اس کے احکام و ہدایات پر خود معل ہو کے نمونہ بنیں، اور قوم سے تعمیل کرائیں۔ کہ یہ فرض شخصی بھی ہے، اور اجتماعی بھی۔ نہ یہ کہ اختتام رسالت رسول سے پیچھے کے مصنفین صحاح کے نذر کر دیں۔ جس سے قوم رسول کی اُمت سے نکل کر احبار و رہبان کی اُمت میں اور بجائے شفاعت رسول کے فریاد میں داخل ہو گئی کہ قال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا (رسول خدا سے فریاد کریں گے کہ اے خدا میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا)

اس قرآنی اور خدائی صراط مستقیم کو قوم نے گنجلک، ناتمام اور ادھوری قرار دیکر انسانی پگڈنڈیوں پر جا کھڑی ہوئی جس سے پھوٹ پڑی، فرقہ بندیوں کا بازار لگا، اسلام ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پاش پاش ہو گیا۔

اہل سنت (یعنی اہلحدیث) اہل سنت و الجماعت (یعنی اہل فقہ) حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، سُنی، شیعہ، خارجی، ان کے سوا اور بہتیرے، اور سب شاخ در شاخ ہو کر کتنی شاخیں، یہ سارے پُرانے فرقے ہیں۔ تازہ فرقے قادیانی، نیشلسٹ، سوشلسٹ، جن میں علماء کانگریس بھی داخل ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ ترک موالات کی آیتیں خدا کی فرمودہ تاریخ کے اس بیان سے کہ رسول نے یہودیوں سے موالات کیا ہے منسوخ ہو گئیں۔ اس سے یہ سنت نکلی کہ بہ لحاظ مصلحت قرآن کی نافرمانی مسنون ہے۔ اللہ اللہ اسلام کہاں سے کہاں پہنچا۔

اہل احدیث یہ کہتے کھڑے ہوئے کہ جب حنفی آمین بالجہر، رفع یدین قرأت فاتحہ خلف امام کی

حدیثوں کے منکر ہیں، تو اُن کے کافر ہونے میں کیا کلام؟ اُس پر مستزاد یہ کہ وہ بدعتی اور مزار پرست بھی ہیں۔ اور ایسے ویسے ہیں۔ ان کافروں کو اپنی پاک مسجدوں سے نکال دو حنفی یہ کہتے کھڑے ہوئے کہ جناب اپنی آنکھ کا شہتیر بھی آپ دیکھیں، بدعت کی بنیاد تو آپ نے ڈالی ہے، یہ کھلی بدعت آپ نے اختراع کی جو کتابیں دین میں نہ خدا نے داخل کیں، نہ خود بدولت رسول صلعم داخل کر گئے، آپ نے دین میں داخل کر کے اُن سے قرآن کی آیتوں کو منسوخ کیا، حدود اللہ کو گھٹایا بڑھایا، جس سے پھوٹ اور فرقہ بندی کا جو مشرکوں کی شان ہے۔ فتنہ اٹھا۔ یہ راویان پرستی اور ماسوا پرستی جواب ہے مزار پرستی کا۔ خالص مسلمان کو دونوں کا ماتم کرنا چاہیے، کونوا ربانیین (اللہ والے بنو)

راوی اور روایت کے متوالے خدا کے حکم میں، خدا کی شریعت میں شرک کرنیوالے ہیں، بایں بنا اہل حدیث بھی کافر ہیں، ہماری مسجد میں نہ آئیں، اور خدا نے کہا کہ اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ، دونوں جھگڑتے رہیں، اس دنیا میں نفس پرستی کے تماشے دکھالیں مگر خدا کا فرمان یہ ہے کہ من اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ (اُس سے ظالم تر کون جو لوگوں کو اللہ کی مسجد میں جانے سے روکے، کہ اس میں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے) اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔

غرض ہر ایک فرقہ اپنی تجارت کا ٹھیکہ لئے ہوئے دوسروں پر کفر کی گندگی اچھالنے لگا۔ اس سے فرصت ہوئی تو اپنے فرقہ کے لوگوں پر بھی کفر کی پھکڑ بازیاں یہاں تک پہنچیں کہ آج جتنے اساتذے گنے جاتے ہیں اور جن کی پوجا ہوتی ہے اس کفر کے گولے سے کوئی بھی تو نہ بچا نہ امام اعظمؒ بچے نہ امام بخاریؒ بچے یہ علماء ہی کے مقدس گروہ کے کارنامے ہیں۔ علماء کا خطاب بھی تو علماء ہی کا گڑھا ہوا ہے۔ یہ علماء و مشائخ کے القاب بھی بنی اسرائیل کے احبار و رہبان کے جواب میں جواب ترکی بہ ترکی ہے۔ قرون اولیٰ میں یہ بدعتی الفاظ و القاب مطلق نہ تھے خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ نہ علامہ کے خطاب سے مشرف ہوئے نہ دویم علامہ عمرؓ، نہ سویم علامہ عثمانؓ نہ چہارم علامہ علیؓ ان بدعتی القاب سے ملقب ہوئے نہ کوئی صحابہ بھی، نہ مشایخوں ہی کے کسی لقب سے کوئی ملقب ہوا، وہاں تو فرمان خداوندی جاری تھا، ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (خدا کے نزدیک تم میں بزرگ تر وہ ہے جو متقی تر ہے۔ علماء اس کا فیصلہ کرنے کو بھی بیٹھے۔ کہ ان خلفاء میں عند اللہ بزرگ

تر کون ہے۔ کون بڑا ہے، کون مجھولا ہے، کون چھوٹا ہے، اب اس تقسیم درجہ پر بھی جوتی بیزار ہونے لگی اور ایسی کہ ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے اب تک ختم نہیں۔ معلوم نہیں یہ قصہ دین میں کیسے گھُسا۔ جیسا جس کا کارنامہ ولیسی اُس کی قدر کرتے، یہ درجہ دینے والے کون، وہ بھی عند اللہ کا درجہ۔

قرونِ اولیٰ کے بعد رفتہ رفتہ عالم بننے کی ٹکسال قائم کی گئی۔ درسِ نظامیہ کے ٹکسال سے علماء ڈھلنے لگے جس درسِ نظامیہ میں قرآن مجید کے تین یا پانچ پارے تو پڑھا دئے جاتے ہیں، وہ بھی تبرکاً رسماً گھوڑدوڑ کی طرح بغیر سمجھ سے کچھ کام لئے ہوئے۔ اور بغیر تدبر و تفکر کے، صرف ترجمہ کہتے چلے گئے کہ میزان کے صیغے یاد ہیں اور کچھ قواعد نحوی بھی۔ جگہ بہ جگہ پوچھنے پر یاد آجاتے ہیں۔ اور تعلیم کچھ تو حدیث کی سند حاصل کرنے کے لئے بغیر تحقیق اسماء رجال اور اصول حدیث کے دی جاتی ہے۔ اور باقی ساری مدت قطبی، میر قطبی، ملا حسن، ملا جلال، کچھ فلسفہ اور کچھ ہیئت میں صرف ہوتی ہے۔ وہ فلسفہ و ہیئت بھی قدیم در قدیم جس کا کچھ حاصل نہیں، حدیث کے رہتے قرآن کا حاصل کرنا اور اُس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونا تو اقدام علی الکفر کے برابر ہے اور سائنس اور علوم جدیدہ حاصل کرنا تو کافر بلکہ اکفر بننا ہے۔ عربی ساری عمر میں ترجمہ کرنے تک آگئی۔ قرآن کی کسی آیت کو پوچھو تو ترجمہ اور جھگڑے سنا دینے کے لئے تفسیر کی تلاش۔ کہ علماء کے منزل غرموده کا ترجمہ اور اختلافات کا ذخیرہ پڑھکر سنا دیا جائے۔ قرآن کی ہدایت اور اُس کے نور سے اُس کی پاک باطنی اور اُس کی روحانی تعلیم و تربیت سے بالکل کورے۔ مگر درسیات ختم کر کے نکلے عمامہ وجبہ سے آراستہ ہوئے اور ممبر پر دعویٰ کرنے کھڑے ہو گئے "ہم مقدس گروہ علماء کے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اس لئے جو عالم کے جوتے کو جتڑی کہے وہ کافر کیونکہ اُس نے تحقیر کی عالم کی۔ پس تحقیر کی رسُول کی، پس یہ تحقیر صریح خدا کی ہے۔ اُس کے کفر میں کیا کلام۔ اس ٹکسال میں بجز کفر کے سکوں کے اور ڈھلتا کیا۔ علما کا یہ رنگ دیکھکر عام مسلمان بھی اپنے کفر و شرک کا بوجھ علماء و مشائخ پر رکھکر سبکدوش ہو گئے۔ سارا بوجھ پیر میاں کے سر۔ قرآن کا ترجمہ بھی کفر قرار دیا گیا تھا کہ قرآن بھی وید کی طرح پنڈتوں کے حوالہ رہے۔ عوام میں پہنچا تو ہمارا بازار اُکھڑ جائیگا۔ جن خدا والوں نے اُس کی ہمت کی، خدا اُن کو اجر دے کہ انہوں نے اس گرہ کو کھولا بعد کے لوگوں نے جو تقلید کی تو وہ ماحول سے مجبور تھے، اس لئے ترجمہ بھی

انسانی رایوں کی آمیزش سے حق و باطل کا مکسچر بن گیا۔ تفسیریں جو لکھی گئیں تو ان کا ذخیرہ بھی کچھ کم نہیں مگر اُن کا حال اور افسوس ناک ہے۔ وہ تو طبع آزمائیوں اور فرقہ بندیوں کے جھگڑوں کا مظاہرہ ہیں۔ رطب ویابس روایتوں کی کھچڑی ہے۔ اسرائیلیات اور اہل کتاب کے قصوں اور کہانیوں کی یادگار ہے۔ خیر یہ دکھڑا ابھی طویل ہے اور اُس کے سننے کے لئے گوش شنوا نہیں۔

اے خدا تو واقعی رحمٰن و رحیم ہے کہ رسول آخر الزماں کو تو نے اٹھا لیا تو ہم جیسے بدنصیبوں کے لئے کہ تیرے پیارے رسول کے زمانہ میں نہ ہوئے تو نے اپنا کلام اور رسول کا ما ارسل اپنی حفاظت خداوندی سے قایم رکھا، جو ہماری روح کی جان اور ہمارے دل و دماغ کی آنکھوں کا تارا اور تیرے انعام و اکرام کا روشن سورج ہے۔ جو حق و باطل کی ترازو ہے کہ انزل الکتاب بالحق والمیزان (خدا نے کتاب اللہ نازل فرمائی جو حق و باطل کی ترازو ہے) اور جو اپنے کلام سے حق کو حق کرکے دکھاتا ہے یحق اللہ الحق بکلماتہ۔ یہ وہ نعمت ہم کو ملی ہے کہ یہی اور صرف یہی ہمارے اُبھرنے کا سہارا ہے۔

قرون اولیٰ میں مشنری کا محکمہ نہ تھا ہر مسلمان ایک محکمۂ مشنری تھا، ہر مسلمان قرآن پر کما حقہ عمل کرنے والا عالم و علامہ سے بڑھکر متقی تھا، ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کے انعامات و افضال کا مستحق، یہی خدا کا منشا، اور یہی رسول کی غرض اور تمنا تھی۔

حریصٌ علیکم۔ آج کل کے درسیات کے فارغ التحصیل علماء قرآن سے بے بہرہ اور اُس کے احکام و ہدایات سے فارغ، عمامہ وجبہ کے عالم، اپنی سطوت اور تشخص کے دلوانے، صدق و اخلاص نام کو نہیں، قرآنی تربیت سے بے لگاؤ، دوسروں کو کافر بنانے والے اور اپنے کفر و نفاق کو عماموں و جبوں میں چھپانے والے۔ فرقہ فرقہ کی رزمگاہ میں جھگڑے کی بنیاد قوی کرنے کے لئے تصنیفوں کا انبار لگا کر کہ اپنی گرم بازاری رونق پذیر ہو رہنا ہے اور اس طرح اپنے کو مزکی جتا کر دوسروں پر جوتیاں اچھالنے کے سوا اور کوئی کام نہیں غیبت اور عیب چینی بہتان اور افترا کے سوا کوئی مشغلہ نہیں۔ کوئی پوچھے تو سہی کہ جناب کس مرض کی دوا ہیں، کتنوں کو قرآن تبلیغ کیا جس کی وراثت کے آپ مدعی ہیں کہ نبی کی وارثت تو یہی؟ قوم کو بدعات و رسومات مشرکانہ سے نجات دلائی۔ آپس کے جھگڑے مٹائے، مقدمہ بازی کی لت چھوڑائی۔ مزار

پرستی علماء پرستی تعزیہ پرستی، پیر پرستی، انسان پرستی، اور ماسوا پرستی سے نجات دلا کر خدا پرست اور صرف خدا پرست بنانے کی طرف توجہ کی۔ کلمہ سمجھایا؟ روحانی نماز بتائی؟ اور منہیات شرعیہ سے اجتناب کرایا؟ یا اپنے ہی کو سہی قرآن کے احکام و ہدایات اور اُس کے فیوض و برکات سے آراستہ کر کے کسی ایک مرید کو بھی خالص اور حنیف مسلمان بنایا؟ حقیقی نماز و روزہ اور جانبازی فی سبیل اللہ کو سمجھا کر اور خود دل سے عملاً سمجھ کر کسی ایک دل کو بھی روشن کیا؟ بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القیٰ معاذیرہ (انسان خود اپنا خوب دانائے حال ہے، اگرچہ بہانے کھڑا کرے) کونسی اسلامی خدمت کی؟ میرا ہوشیار کرنا تو بُرا لگے گا مگر خدا کے یہاں تو جواب دینا ہوگا۔

آپ کا کارنامہ تو بس یہی کہ عنایت اللہ خاں مشرقی تو خدائی بعیتم کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم (اللہ نے مومنوں سے اُن کی جان کو خرید لیا ہے) کی تلقین کرتا ہے۔ اور اعدوالھم ما استطعتم من قوۃ (اپنی استطاعت بھر اپنی قوت تیار کرو) کی تعمیل اور تلقین کر کے خدا کی راہ میں جانبازی سکھاتا ہے۔ اور یوں مذہب کی روح رگ و ریشہ میں دوڑاتا ہے وہ کافر ہے۔ وہ مستحق ہے کہ اُس پر بے پناہ ظلم کیا جائے۔ مگر خدا دلوں کا دانائے حال دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح مسٹر جناح منتشر اور پریشان مسلمانوں کو اخوت اور اسلامی جھنڈے کے نیچے جمع کر رہے ہیں تو چونکہ وہ عالم نہیں اس لئے قوم کو منتشر ہی رہنے دو۔ ان کا ہندوؤں میں ملجانا اور بجائے اسلام کے گاندھی ازم میں پیوست ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔ دلیل کس قدر زبردست ہے کہ جناح عالم نہیں، درس نظامیہ کے تعلیم یافتہ نہیں، سیاست کی تعلیم تو منطق کی کتابوں میں ہمنے پائی ہے۔ موجودہ سیاست کچھ نہیں۔ ہمکو بھی اک اور مسجد قبا ہندوؤں کی شرکت سے الگ بنانے دو، پھر دیکھ لینا بندے ماترم اور اہنسا کی برکت سے ہندوؤں کے زیر قدم مسلمان بھی آزاد۔ ہمکو تو یہی کرنا آتا ہے آخر وہ بھی تو علما ہی تھے جنہوں نے اکبر اعظم کے شاہی سطوت کے زیر سایہ دین الٰہی جاری کیا تھا، وہ بھی تو علما ہی تھے جنہوں نے قرآن کے قدیم و حادث ہونیکا مسئلہ چھیڑ کر ایک فتنہ برپا کیا۔ اگرچہ خون خرابہ بہت ہوا۔ اور گرچہ امام احمد بن حنبل جیسی برگزیدہ ہستی کو (حنبلیوں کے نزدیک) جیل کی مص[illegible] ... ں سے پامال ہونا پڑا، تو ہم کیا اُن علماء سے کھوٹے ہیں۔

سچ کہا۔ قادیانی مذہب بھی تو علماء ہی کا نکالا ہوا ہے۔ اسلام پر چاند ماری کرکے اگرچہ حرم میں چار ہی مصلے بنائے مگر کتنے فرقوں کی بنیاد ڈالی۔ مذاہب کی بنیاد ڈالنے والے بھی یہی علماء اور ایک دوسرے کو کافر کہنے والے بھی یہی علماء جن کے کفر کے فتووں سے کوئی اساتذہ اسلام نہ بچا جن کی آج پوجا ہو جاتی ہے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ نہ خود بنو نہ کسی کو بننے دو۔ کہ قرآن قرآن کہنے والا۔ روایتوں کا منکر کافر ہو گیا۔ سوائے تحریروں اور تقریروں کے ردّو قدح کے ہمکو ایک عالم بھی تو نہ ملا جو خود خدا ہی کا مسلمان اور حقیقی مسلمان بنے یا کسی کو بھی مسلمان حنیف بنائے یا بننے دے۔ زیادہ لکھنے سے یہ بہتر ہے کہ بڑے پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چالیس مواعظ جو آپ نے مدرسوں میں فرمائے ہیں اور جو مدت ہوئی چھپ بھی گئے ہیں وہ اُن کو پڑھ کر سنا دیے جائیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ماٹ کب سے بگڑا ہے۔

بہرکیف یہ تو اک اظہار حقیقت تھا۔ فیصلہ طلب یہ ہے کہ ایسے حال میں کہ مسلمان اس درجہ منتشر الحال، بدحال، اور فرقہ فرقہ ہیں جن میں آج تک جنگ و جدال جاری ہے۔ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے

پہلی چیز تو یہ ہے فلہ اسلموا (خدا کے مسلمان بنو) دوسرے یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذین نزل علیٰ رسولہ (اے ایمان والو پھر سے ایمان لاؤ خدا اور رسول و قرآن پر) جب قرآن تم کو مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ بس اُسی پر چلو۔ صراط مستقیم بے خطر ہے۔ پھر دیکھو۔ جو کوئی خدا اور اسلام کی خدمت کو کھڑا ہے اور سرگرم کار ہے۔ اگر اُس کے کام کا مرکز خدا اور اُس کے عمل کا دائرہ قرآن سے باہر نہیں ہے تو اُس سے نہ ٹکراؤ۔ اُس کو غیر نہ سمجھو۔ سمجھو کہ وہ تمہاری ہی خدمت کر رہا ہے۔ جب اُس کا بھی مرکز عمل خدا اور مسلمان ہے تو تصادم ہو ہی گا نہیں۔ ہاں تم سے جو ہو سکے وہ نیک نیتی سے خدا کی رضا جوئی کے لئے کرو۔ اور کئے جاؤ۔ (وان سعیہ سوف یرٰی) کوشش وسعی دیکھی جائیگی۔ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے۔

پھر تقسیم عمل کے اصول پر چار تنظیموں کی ضرورت نمایاں ہوتی ہے۔

مذہبی تنظیم۔ سیاسی تنظیم۔ عسکری تنظیم۔ اقتصادی تنظیم

مذہبی تنظیم اپنے منہ بولے دعووں کے رو سے تو علماء کا تھا، مگر ان میں صلاحیت نہیں۔ فرقہ بندی

کی آگ تو انہیں کی لگائی ہوئی پھر یہ فرقہ بندی کیا دور کریں گے۔ اور فرقے بڑھائیں گے منتشر کو اور منتشر کریں گے، اور مسلمانوں کو کافر بنا بنا کر اپنی ہی ٹولی کے بڑھانے کی کوششوں میں ناکام رہیں گے۔ جو مسلمانوں کو ایک مسجد میں سمیٹ نہیں سکتے وہ ایک پلیٹ فارم پر کیا سمیٹینگے۔ ایک کہیگا کہ امیر شریعت بناؤ، دوسرا کہیگا کہ شریعت کو کوئی امیر الٹ پھیر نہیں سکتا۔ اس لئے رسول شریعت بناؤ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ علماء کی ایک جماعت نبی آخر الزماں کی اُمت سے نکل کر گاندھی ازم میں جذب ہوئی۔ اور گاندھی جی کی اُمت بنی۔ ایک جماعت سر توڑ کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ زندہ باد کا نعرہ لیڈروں کے لئے ہوتا ہے اور ہمارے تقدس مآبی کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ہمارے عمامہ وجبہ کا چند شاگردوں یا مریدوں کے سوا کوئی گاہک نہیں، یہ کیا اندھیر ہے، اعمال کو چھوڑ ہمکو تقریروں اور تحریروں کی قوت پر پھر اٹھنا چاہئے۔ اور پھر وہی سطوت حاصل کرنی چاہئے جو شاہی جلال وجبروت کے دور میں شاہی مدد اور حمایت سے ہمکو کبھی حاصل تھی۔ کچھ نہیں تو ہندوؤں کی مدد سے قضا یا تو قائم ہو جائے۔ وقف کا محکمہ تو میرے ہاتھ میں آجائے کہ روٹیوں کا سامان ہو جائے۔ ایک جماعت اس تنظیم پر جوتے اُچھالتی رہتی ہے کہ اُس کا لیڈر کافر ہے، اُس کا لیڈر انگریزی نش گردن زدنی ہے۔ دین میرے قبضہ میں۔ قرآن میرے طاقوں میں۔ حدیثیں میری جائے نمازوں پر جنّت کی کنجی میرے قبضہ اقتدار میں، مسلمانو! تم نجات کی راہ چھوڑ کر ادھر ادھر کہاں جا رہے ہو۔ گرچہ ہم دنیا سے دنیا کے جغرافیہ سے، دنیا کی تاریخ سے، دنیا کے موجودہ حالات، موجودہ روش، موجودہ انقلابات سے واقف نہیں۔ مگر سیاست میری منطق فہم سے باہر نہیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور وہ کس سیاسی پیچیدگیوں میں مبتلا ہے۔ اس کا اثر مسلمانوں پر کیا پڑا، اور کیا پڑنیکو ہے وہ جائے جہنم میں، ہمکو اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ کانگریس کو سلامت رہنا چاہئے اُس کی واقفیت کافی ہے۔ خانقاہوں سے صدا آرہی ہے کہ یہ دنیا نے کے کیا کرو گے، یہ نامراد کس کام کی، کس کے کام آئی، اور کس کے کام آئیگی۔ گدّی کی خیر مناؤ کہ ساتوں طبق روشن ہوں، ایک جماعت خاموش تماشہ میں ہے کہ حق بولیں تو علماء کی جماعت سے خارج کئے جائیں۔ ناحق بولیں تو ابلیس کی کیا کمی ہے۔

ایسے حال میں کہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (خدا کے بندوں میں خدا سے علماء ڈرتے

ہیں، جب خشیت ربانی کسی ایک جماعت میں نہیں رہی، تو خدا و رسول کی طرف رجوع کرو۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے پیرو صرف اللہ کے مسلمان تھے، نہ سنی، نہ شیعہ، نہ اہلحدیث، نہ اہل فقہ، نہ اس پارٹی میں، نہ اُس پارٹی میں۔ نہ عالم نہ علامہ سارے بدعتی خطابات سے پاک خالص مسلمان، حنیف مسلمان تھے۔ خدا کے جانباز، مسلمان تھے۔ دنیا دار نہیں اللہ والے تھے کہ دنیا جس پر لوگ جان دیتے ہیں اور جس پر مذہب بھی قربان کئے ہوئے ہیں۔ وہ اُن کے قدموں کے نیچے دوڑی آتی تھی۔ تم نبی کی اُمت بنا چاہتے ہو تو نبی کا اتباع کرو، نبی قرآن کا اتباع کرتے تھے، اور اسی کے مامور تھے تم بھی قرآن کا اتباع کرو اور اپنے کو صرف مسلمان کہو جو خدا کا رکھا ہوا نام ہے۔ هو سمٰكم المسلمين۔ ورنہ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملیگی۔ خدا کے سوا کہیں پناہ ہے نہیں۔

خدا کی طرف رجوع ہونے کے بعد گذشتہ سے استغفار اور آئندہ سے توبہ کرو، اُس دنیا میں چلے چلو جو دنیا ہمارے رسول اکرم صلعم اور خلفاء کی تھی، یعنی خدا کا ہو کر ہر مسلمان قرآن پڑھے، عربی سمجھ سکے تو سبحان اللہ، نہ سمجھ سکے تو ترجمہ پڑھے مگر سمجھکر، خالصاً لوجہ اللہ، اپنے فرقہ اور خیال کی سند تلاش کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اللہ والا ہو کر، ہدایت اور نور حاصل کرنے کے لئے روز پڑھے، بار بار پڑھے، اور تدبّر و تفکر کرے کہ دل کی آنکھ روشن ہو۔ اپنے کو خدا کے فرمودہ کے مطابق صرف مسلمان کہا کرو۔ عبادت اپنے اپنے طریقہ پر کرتے رہو۔ بحث و مباحثہ سے رضائے مولیٰ سمجھکر اجتناب کرتے رہو، اور اُس کو مولویوں کے لئے چھوڑ دو۔ بس اس طرح پر قرآن سے ہدایت طلبی تمکو صحابہ کی روش پر لاکر چھوڑے گی، فرقہ بندی رہیگی بھی تو اُس کی روح نکل جائے گی۔ ایسا کرو تو پھر فلاح و کامیابی تمہارے ہی لئے ہے۔

قرآن کے باطنی اخلاقی اور روحانی سارے فرمان پر چلنے کے لئے جانبازی سے کھڑے ہو جاؤ۔ جس کے حصول میں مجبوری ہو تو مجبوری کے دور کرنے کے لئے اعدوالھم ما استطعتم من قوۃ (قوت حاصل کرنیکی تیاری کرو جو تمہارے بس میں ہو) اس کو بھولو نہیں۔ قرآن تمکو صراط مستقیم پر مستقیم کردیگا۔ ذروا ظاھر الاثم و باطنہ کی تعمیل سے تمکو اتقا کا نور نصیب ہوگا۔ اور تمہارا شمار عباد صالحین میں ہوگا۔ پھر اور چاہئے کیا ان الارض یرثھا عبادی الصالحون زمین کے وارث ہمارے

صلحاء بندے ہی ہوں گے اکا آفتاب طلوع ہو جائے گا۔ قرآن پر عمل کرنے کا خلافت ارضی لازمی نتیجہ ہے۔ اگر یہ اعمال انفرادیت سے بلند ہو کر اجتماعی طور پر نمایاں ہوں۔ مگر یاد رہے ؎

عروسِ معنی قرآن نقاب آنگہ براندازد

کہ خلوت خانۂ دل را مجرد سازی ز غوغا

اس میں صرف ایمان و عمل کی ضرورت ہے۔ قصے قضیوں کی ضرورت نہیں۔ اخوت اسلامی کا رشتہ جوڑنا ہے، کفر کے پیوند لگانے کی ضرورت نہیں۔ منافقین الگ ہوں تو منافقوں کا الگ ہونا ہی اولیٰ۔ منافقوں کو بھی خیبر میں یا وارد ھا میں ہجرت کرنا لازمی ہوگا۔

موجودہ حال میں اگر مذہبی تنظیم ہو سکتی ہے تو اس کی یہی صورت ہے جو نسخہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مجرب و آزمودہ ہے۔ کیا کسی "علامہ" سے اس کی امید ہو سکتی ہے کہ وہ قرآن کی تبلیغ کو کھڑے ہوں جنہوں نے قرآنی شریعت کو کہ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحا والذی اوحینا الیک (خدا نے تمکو شریعت بنا کے دی جس کا حکم نوح کو دیا گیا تھا اور جو تمہاری طرف وحی کی گئی یعنی قرآن) بدل دیا۔ کوئی حکم بھی قرآن سے نہیں دیا جاتا۔ باوجودیکہ یہ تہدید بھی ہے۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکفرون (جو قرآن سے حکم نہ دے وہ کافر ہے) دین کے سارے احکام ماسوا قرآن سے دیے جاتے ہیں جس سے اک دوسری شریعت تیار ہو گئی۔ باوجود اس ہوش دلانے کے ام لھم شرکوا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ (کیا ان کے شرکا ہیں جنہوں نے ان کو شریعت بنا کے دی جس کا حکم خدا نے نہیں دیا تھا) ہوا تو ایسا ہی۔ سارے احکام انسانی رایوں کی سند سے دیے جاتے ہیں جس نے حرام و حلال تک کی ایک ڈبل فہرست تیار کر دی جس کا حکم خدا نے نہیں دیا تھا۔ قرآن کی کوئی آیت بھی، کوئی حکم بھی گھٹاؤ بڑھاؤ سے بچا ہوا ہے، جو بچ رہا ہے وہ چھپا کر مردہ کر دیا گیا ہے۔ مسلمانو! ماتم کرو ماتم۔ یہ سارا کچھ اس زعم میں کیا گیا کہ ہمکو ٹوکنے والا کون۔ ما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔

اگر یہ کہا جائے کہ سب عالم ایسے نہیں، یہ صحیح ہے جیسا کہ سب غیر عالم بھی ایک طرح کے نہیں

ہیں۔ مگر گفتگو بہ اعتبار اکثریت کی جاتی ہے۔ یہی قرآن کی روش ہے۔ منھم المومنون واکثرھم الفسقون۔

سیاسی تنظیم۔ اس میں دنیا کی سیاست کو سمجھنا ضرور ہے کہ دنیا کس سیاسی چال سے گذر رہی ہے۔ تاکہ کوئی قوی سیاست کمزور اور غلط رو سیاست کو دبا نہ بیٹھے۔ اس میں صابر دل سے، دوراندیشی سے دوسروں کی فتنہ انگیز چالوں کو سمجھنا، اُس کے پوشیدہ تباہ کن اثرات سے اور اُس کے بظاہر منافقانہ انداز سے اپنے کو بچانا، دوست نما دشمنوں کی زہریلی روش سے محفوظ رہنے کی چالیں اختیار کرنی، اس کے ساتھ صحیح وقت کو پہچاننا کہ کس کس وقت میں کس کس قسم کی رفتار سے، اور نرم گرم باتوں کی کس انداز کی ملاوٹ سے منزل مراد پر پہنچنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ علیٰ ہذا یہ تو اک علم ہو گیا ہے۔ جس کے مبادی کو بہتر نہیں جانتے۔ یوں اسپیچ دینے کو کون نہیں کھڑا ہوتا۔

برخلاف اس کے آج تو ہر کوئی سیاسی لیڈر ہے۔ یہ اسپیکر جس کے ہاں میں ہاں ملانے والے دس پانچ ہو گئے وہ سیاسی لیڈر ہے۔ ہر مقرر جس کی تقریر میں توم ہائے قوم کی گونج ہو وہ پُر درد سیاسی لیڈر ہے۔ ہر ادارہ کا ہر رکن جو تقریر کی کسی قدر صلاحیت کے ساتھ اسٹیج پر بول سکے وہ سیاسی لیڈر ہے، ہر وہ جس کے آنے پر اللہ اکبر اور جانے پر زندہ باد کے نعرے بلند کئے جائیں۔ وہ سیاسی لیڈر ہے۔ ہر اخبار کا وہ لیڈر جو دوسروں پر کیچڑ اُچھالنے اور بُرا بھلا لکھنے میں تیز رقم ہو وہ سیاسی لیڈر ہے۔ ہر وہ ذات جو قربانی کی سند رکھتی ہو وہ سیاسی لیڈر بلکہ مہا لیڈر ہے۔ قربانی کے معنے اپنے نفس اپنے خواہشات اپنے شان و شوکت اور اپنے حوصلوں اور منزلتوں کو خدا اور قوم پر قربان کر دینے کے نہیں۔ بلکہ جائز یا ناجائز جیل سے ہو آنے کے ہیں۔ جس کے جیل جاتے وقت مبارکبادی کے تار بھیجے جائیں۔ اخباروں میں قربانی کے غلغلے بلند کئے جائیں، اور جیل جانے کے بعد احتجاجی جلسوں کی بھرمار کی جائے۔ علیٰ ہذا فہرست طویل ہے مگر یہ ہیں لیڈر اس ہندوستان کے جن سے ہندوستانیوں کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ پھر جیسی سیاست ویسا نتیجہ۔ سوائے فتنہ و فساد کے جس کا نام ہوش اور جوش رکھا گیا ہے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ نہ انسانی صفات ہی بنے، نہ آزادی ہی حاصل ہوئی۔

ان حالات پر غور و فکر کرنے کے بعد مسلمانوں نے مسٹر محمد علی جناح کو لیڈر تسلیم کیا۔ یہ وہ

بے غرضانہ اور اندیشانہ انتخاب تھا کہ مسلمانوں کے سارے بے نفس لیڈر اس کے آگے جھک گئے
مسٹر جناح نے اوّل کام یہ کیا کہ مرض کی تہ کو پہنچکر انتشار و افتراق قومی کو دور کرنے کا فیصلہ کیا کہ جب
تک قوم نہ بنے کوئی قومی کام سرانجام نہیں پا سکتے۔ اس لئے سارے مسلمان چاہے کسی فرقے کے ہوں
اپنی اپنی ٹولیوں کو توڑ کر گو اپنے اپنے فرقہ و مذہب پر رہ کر اجتماعی قوت پیدا کریں۔ ایک قوم بن جائیں۔
اور مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جو اسلامی جھنڈہ ہے جمع ہو جائیں۔

یہ کام اس انتشار و پراگندگی میں آسان نہ تھا۔ مگر نیتی پر اخلاص تھا۔ خدا نے مدد کی اور یہ دیکھ لیجئے
دشمنوں کی فوج کو مظالم کے ہتھیار سنبھالتے ہوئے بھیجا۔ اس نے قوم کو جگایا اور رضا کی مدد پوری ہوئی۔
لوگ جوق در جوق مسلم لیگ میں داخل ہونے لگے اتنے دنوں کی یہ کامیابی معمولی کامیابی نہیں۔ اس میں
شک نہیں کہ یہ کام ابھی حسب خواہ انداز پر تکمیل کو نہیں پہنچا۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ توجہ ایک طرف سے
دوسری طرف پھیری جائے۔ اور دوسری جزوی اور اصلاحوں کی طرف بانٹ دی جائے۔ ہاں اس کا
وقت آتا ہے۔ لوگ یہ سارا کچھ دیکھ کر بھی یہ پوچھتے کھڑے ہوتے ہیں کہ مسلم لیگ کر کیا رہی ہے۔ نہ بازاری
لونڈوں کا جلوس نکالتی ہے۔ نہ جناح زندہ باد کا نعرہ بلند کراتی ہے۔ نہ بڑے بڑے بولوں سے دنیا کو چکر
اور پریشانیوں میں مبتلا کرتی ہے۔ اور زندگی نام ہے اسی کا۔ تو ایسے بولنے والوں کو شرم کرنی چاہیے۔
پہلا کام تکمیل کو جب تک نہ پہنچے ایسے سوالوں اور اعتراضوں کی گنجائش نہیں۔ وقت آ رہا ہے دوسرا
قدم جو اٹھے گا وہ دیکھ لینا۔ اس پر بھی عیدوالی اسپیچ میں مسٹر جناح نے اعلان کر دیا ہے کہ قرآن رہتے
ہوئے عمل پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ نصب العین پوچھنے کی ضرورت۔ خدا نصب العین اُس کی
رضا نصب العین اور عمل کے لئے قرآن پڑھو قرآن پر عمل کرو۔ اخوت اسلامی کو زندہ کرو۔ اور رضا کی
راہ میں قربانی کی روح پیدا کر کے اسلام کا بول بالا کر دو ؎

مسلموں میں جو اخوت کی بہار آ جائے
کامیابی کا ابھی عرش سے تار آ جائے

سیاست کا تخم ہر مسلمان کے دماغ میں موجود ہے۔ اس کو لکشو و نما دینا ہے۔ سیاست اس کی

رفتار میں موجود ہے۔ اُس کو سیدھی راہ پر چلانا ہے۔ بس یہی اتنی میری خدمت ہے۔ اس کیلئے صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ یہ سیاسی تنظیم امن وسکون کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ اور سیاسی دنگل میں بھی کام اجتماعی رائے' اجتماعی قوت' دوراندیشانہ رائے'' اور اجتماعی مشوروں سے ہو رہا ہے۔ خدا سے اُمید ہے کہ یہ تنظیم بالضرور کامیاب ہوگی انشاءاللہ العزیز۔

ہاں کچھ علماء اپنی سرابی اُمیدوں پر رخنہ انداز ہو رہے ہیں۔ تو ان کا تو یہ کام ہی ہے کیا نبی کے زمانہ میں منافقوں کا گروہ نہ تھا۔ گرچہ ان کے ماننے والے' ان کے شاگرد ان کو مولانا لکھتے ہیں۔ جیسے پادری ربی کہے جاتے تھے' یہ مولانا کہے جاتے ہیں۔ مگر قرآن میں تو ہے ھو مولٰینا' انت مولٰنا۔ (خدا مولا ہمارا ہے۔ اے خدا تو ہی ہمارا مولا ہے) واقعی خدا کے سوا مولا آقا مالک اور کون۔ کوئی اگر عالم خدا کی جگہ اپنا مولا بنائے تو اُس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اُنہوں نے جب ترک موالات کی ساری آیتوں کو ٹھکرا دیا۔ جماعت سے منہ موڑا' اور مسجد سے نکل کر مندر کا رُخ کیا تو اُن کی نسبت کچھ لکھنا فضول ہے۔ ان کو کہیں پناہ نہ ملیگی کیونکہ خدا کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ الیہ المرجع والمآب۔

عسکری تنظیم۔ اس کو مشرقی صاحب نے اٹھایا ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

جام شریعت تو قرآن ہے۔ اور سندان عشق جہد فی سبیل اللہ ہے جس کے احکام اور جس کی فضیلت سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

جہد فی سبیل اللہ کی آزمائش کے لئے نبی کو حکم ہوا حرض المومنین علی القتال مسلمانوں کو قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب دو۔ آپ کی مدینہ کی برسوں کی زندگی اسی حکم کی تعمیل میں صرف ہوئی اور سارے صحابہ جان بکف ہو کر اس کی تعمیل میں لگ گئے۔ اور اس ایمان کے امتحان میں سچے اور مخلص تر ثابت ہوئے جس سے مسلمانوں کو عروج حاصل ہوا' جس عروج کو آج تک مسلمان روتے ہیں۔ یہ حق پر خدا کی راہ میں جاں بازی تھی۔ جس سے خدا و رسول بھی راضی ہوئے۔ او جاعل فی الارض خلیفہ

والی خلافت بھی ملی۔ اس سبق کو مشرقی نے یاد کیا، اور اس خدمت کے لئے سینہ سپر ہو گئے پہلے اُنھوں نے مسلمانوں کے حال کی طرف توجہ کی، تو دیکھا کہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین (تم ہی غالب ہوگے اگر تم مومن ہو) کے یہ مصداق نہیں رہے، تمام مغلوب ہیں، ہر ایک پہلو سے انسانی صفات میں، کاروبار میں، دھن دولت میں، عزت و وقار میں، اس کی فہرست دینے کو جی نہیں چاہتا۔ دل کو صدمہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ جو صدیوں ان سے مغلوب رہے، آج یہ اُن سے بھی مغلوب ہیں۔ لن یجعل اللّٰہ للکفرین علی المومنین سبیلا (خدا مومنوں پر کافروں کو ہرگز غلبہ نہ دیگا) مگر کافروں کا مسلمانوں پر ایسا غلبہ ہے جس کی وضاحت کرتے شرم آتی ہے۔ وکان حقا علینا نصر المومنین (ہم پر یہ حق ہے کہ ہم مومنوں کی مدد کریں) مگر اُن کی مدد تو کہیں سے بھی آتی دکھائی نہیں دیتی، ان کا تو کوئی بھی مددگار نہیں، کیا اپنا کیا پرایا، یہاں تک کہ وہ خود آپ اپنے بھی مددگار نہیں۔

تو یہ وعدے تو خدا کے ہیں، اور خدا ہرگز جھوٹا نہیں، پھر یہ حال کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے ہر جگہ یہ شرط لگادی ہے کہ اگر تم میں ایمان ہوگا تو تمہارے یہ انعام و اکرام تو ایمان والوں ہی کے لئے ہیں۔ قرآن کی ان آیتوں کی گواہی سے یہ کھلا کھلا اور صاف صاف ہے۔ کہ مسلمانوں میں ایمان نہیں رہا۔ جب اس حال کو پہنچے، تو اس کو سوچو اور سمجھو کہ تم میں یہ ایمانی کھوٹ کی نکبت کہاں سے پیدا ہوئی کہ تم اس حال کو پہنچے۔

مشرقی صاحب نے یہ سمجھا اور صحیح سمجھا کہ قوم کا یہ حال خدا سے مواجہ پھیرنے اور کلام اللّٰہ کو پیٹھ پیچھے پھینکنے کے سبب سے ہوا ہے۔ کہ ایمان دل سے رخصت ہوا، اور اس کے مجرم وہی علماء ہیں جن کو وہ علماء سوء کہتے ہیں، اور جن کو ہوش دلانے کے لئے ملّا کا غلط مذہب لکھا ہے۔

دوسری طرف اُنہوں نے اہل یورپ کو دیکھا کہ وہ دہریہ ہو کر مذہب سے سبکدوش، اور ساتھ اس کے تثلیث اور شرک اور پوجا سے نکل گئے۔ ان دہریوں نے آخر کار تشکیک کی روش اختیار کرلی کہ ہمکو جب خدا اور اُس کی صفت معلوم نہیں ہوسکتی تو ہمکو اس میں پڑنے سے فائدہ کیا، عاقبت کھوئی یہ تو پیچھے ہے مگر یہ نہ انکاری رہے نہ پجاری، اُس پر اُنہوں نے دیکھا اسلام کو، اس کی توحید تو

سیکھی نہیں مگر بہتری باتوں کو جو اس دنیا کی ترقی کی موجب تھیں مسلمانوں نے چھوڑا اور اُنھوں نے ان کو لے لیا مثلاً لقد خلقنا الانسان فی کبد (ہمنے انسان کو پیدا کیا کہ سدا مشقت میں رہے) مسلمان آرام طلب ہوئے اور وہ محنت میں لگے رہے۔ وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یرے (انسان کے لئے تو وہی جس کی اُس نے سعی کی۔ اُس کی سعی و کوشش دیکھی جائیگی) انسان کا لفظ ہے جو جیسا کچھ کرے گا وہ پائیگا۔ مسلمان سعی و کوشش سے بھاگے اور وہ ہر طرح کی کوششوں میں لگ گئے ان کے سارے کارنامے انہیں کے کوششوں کے نتیجے ہیں ۔ خدا نے بیسیوں آیتیں فکر کی تاکید کی نسبت فرمائیں۔ تفکروا سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ یہ فکر تو سارے علوم و فنون کی کنجی تھی مسلمانوں نے اس حکم کی ذرہ برابر بھی قدر نہ کی صرف ترجمہ کر دینے کو تعمیل سمجھا۔ اب وہ جانتے بھی نہیں کہ فکر کیا بلا ہے۔ یورپ والوں نے قرآن سے سیکھ کر اس کو اپنا دستور العمل بنایا۔ اور ہر ایک چیز پر فکر و غور کرنے لگے تو ریل، تار برقی، بے تار کی تار برقی، ہوائی جہاز، سب میرین، ریڈیو اس کی فہرست تو طویل ہے کیا کیا ایجادیں نہیں کیں، اور سائنس کے کن کن شاخوں سے بہرہ مند ہوئے اور ساری زمین کے بادشاہ بن بیٹھے۔ اگرچہ روحانیت کے فقدان کے سبب قیام نہیں ہونیکا۔ جب مشرقی صاحب نے مسلمانوں کو اس حال میں اور یوروپیوں کو اس حال میں دیکھا اس سے متاثر ہوئے تو پہلی کتاب تذکرہ لکھا، اُس میں مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر جگایا، بگل کی آواز سے ہوشیار کیا اور نہایت سختی سے متنبہ کیا۔ مگر بے نشتر کی ضرورت بھی تھی مگر کس طرح مثلاً ایک شخص نے نماز پڑھی، دو منٹ میں چٹ پٹ نماز ختم کی، رکوع ہی میں سجدہ اور ایک ہی سجدہ میں دونوں سجدے۔ اِدھر سلام پھیرا اُدھر پکار اُٹھے کہ لالہ امرت لال ذرا گنگا جہتوں والی بھی لیتے آنا۔ یہ دیکھکر ایک مرد مسلمان نے نصیحت کی کہ بھائی یہ نماز ہے یا ڈرل۔ یہ ٹینس ہے یا خدا کے ساتھ مذاق کیا شاہی دربار میں تم جاؤ اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر جیب سے گلگڑیاں نکال کے کھانے لگو تو تم دربار سے نکال دیئے جاؤ گے یا تم کو خلعت ملے گا۔ ارے نادان نماز ایسی تو ہو اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم (جب خدا کا ذکر ہو تو اُن کے قلوب ہل جاتے ہیں) اور اگر یہ ریاکاری کی نماز ہوگی، تو ایسے نمازیوں کے لئے تو جہنم ہے، فویل للمصلین اللذین ھم

عن صلاتھم ساھون الذین ھم یراؤن ۵ اسی عنوان سے مشرقی نے تذکرہ میں لکھا کہ یہ سارا کچھ کیا دھرا تمہارے علماء سو کا ہے۔ تم کلمہ پڑھتے ہو، اُس کو سمجھتے نہیں، طوطوں کا سکھایا ہوا کلمہ ہے کہ زبان پر ہے اور دل بے خبر۔ اس زبانی جمع خرچ سے نہ طوطا مسلمان ہو جائیگا نہ تم۔ ایمان کا دعویٰ بھی منہ بولا دعویٰ ہے، عمل سے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ من الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین، (بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ اور وہ مومن نہیں ہیں) ایسا ہی تمہارا ایمان ہے جب تک عمل سے اس کا ثبوت نہ ہو۔ تم تو مردم شماری کے مسلمان رہ گئے کیونکہ قرآن کے فرمان پر تمہارا عمل نہیں، مذہبی کلام کبھی کچھ کیا بھی تو خدا کا حکم سمجھ کر نہیں، بلکہ مولوی کا حکم سمجھ کر۔ ایمان اور اسلام کے بعد تمہارے کردار کیسے ہیں۔ وہ دیکھو، محبت، ایثار، خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی، اخوت، جوش عملی زندگی، حقوق کی جنگ میں سینہ سپر ہونا، کسی اپنی جماعت کے کسی فرد پر مصیبت پڑے تو قوم کی قوم دکھ درد میں شرکت کرنے کو تیار رہتا، تو بھی کہ یہ قرآنی احکام کی تعمیل تم کرتے ہو یا یورپین۔ تم مسلمان ہو یا وہ تم انعام کے مستحق ہو یا وہ۔ اپنا کیا اپنے ساتھ۔ جیسا تم کرو گے، تم پاؤ گے۔ جیسا وہ کریں گے وہ پائیں گے۔

اب جس طرح اُس نمازی کو نصیحت کرنے والے پر اعتراض کرنیکو کھڑے ہو کہ اس نے تو نماز کو ڈرل بنا دیا، ٹینس بنا دیا، نمازی کو ککڑی کھانیوالا بنا دیا۔ اُس کی نماز کو خدا کے ساتھ مذاق کہہ گیا۔ یہ نماز کو جہنم میں بھیجنے والی کہہ گیا۔ یہ ناصح نہیں، مردود کافر ہے۔ اسی طرح مشرقی کے اس کہے کو سمجھا نہیں کہ یہ تمہاری غیرت کے لئے کوڑا اور تمہارے ڈوب مرنے کے لئے پانی ہے، تمکو دکھایا گیا ہے کہ تم کافر سے بھی بدتر ہوئے جا رہے ہو، اور عاقبت بھی بے عمل صالح کے نہیں بننے کی۔ سمجھا خاک نہیں اور کفر کا ڈھول اچھالنے کو تیار ہو گئے۔ کانگریس کے علماء نے کہا کہ مشرقی کافر، کوّے کائیں کائیں کرنے لگے سب بول اُٹھے کافر کافر، اور سرحد کے سینکڑوں علماء نے کہا نہیں نہیں مشرقی مسلمان اور خالص مسلمان، اس کو کافر کہنے والا کافر، یہ ہے علامہ مشرقی کے کفر کے فتووں کی حقیقت، نہ تذکرہ دیکھا نہ سمجھ سکے۔ نہ اس باریکی کو سمجھا کہ اُس نے ایسا کچھ لکھکر غیرت دلائی ہے۔ اور آخر میں اُس کو واضح بھی کر دیا ہے، مگر یہاں تو ملا کا غلط

مذہب کا جواب دینا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، اور یہ فتویٰ کسی قرآنی آیت پر مبنی نہیں، اور فرمان یہ ہے۔ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الكفرون (جو قرآن سے حکم نہ دے وہ کافر ہے) ان علما سے کہو کہ اپنے کفر کا جائزہ لیں، کیونکہ انزل اللہ خدا کا نازل فرمودہ قرآن کے سوا اور کچھ نہیں۔ تو اس فتوے کی وقعت ردّی کے برابر بھی نہیں۔ ہرگز سینما کے اشتہار سے بڑھکر نہیں۔ یہ کفر کے فتویٰ دینے والے وہی مقدس علما حضرات ہیں، جنہوں نے نان کواپریشن کے زمانہ میں پانچسو علمار کے مُہر سے فتویٰ دیا تھا، کہ کافروں کے ساتھ موالات کرنے والا کافر ہے۔ آج وہی دستخط اور مہر کرنے والے حضرات کس دیدہ دلیری سے کافروں کے ساتھ موالات کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں سے ترک موالات۔ یہ قرآن کی آیتوں کے خون کرنے میں بیباک، اور خدا سے نڈر ہو گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں سے بایں سند انکاری ہیں، کہ فلاں تاریخ سے ثابت ہے کہ نبی نے یہودیوں سے موالات کیا ہے۔ گرچہ مقدس علمار گنے جاتے ہیں مگر یہ بھی جھوٹ کہا، اُس تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ مگر قرآن تاریخ سے بایں غرض منسوخ کیا جاتا ہے، تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ رسول قرآن کے خلاف بھی عمل فرماتے تھے۔ اور احکام بما انزل اللہ کے خلاف بھی صادر فرماتے تھے۔ تاکہ علمار کے لئے بہ مصلحت وقت خلاف قرآن کرنا سنت رسول اللہ قرار پا جائے کہ اُن کو بہتیرے فتنوں کے کھڑا کرنے کا دستاویز ہاتھ آجائے۔

یہ پانچسو مہر والے فتوؤں میں جناب مولانا سجاد صاحب امیر شریعت کا اسم گرامی بھی ہے۔ اور اب اُس فتوے کی تعمیل کانگرس کی شرکت اور ماس کنٹک کی کوششوں سے فرما رہے ہیں، اور مسلمانوں کو بھی اس موالات ممنوعہ سے جہنم میں جھونکنے کو صوبہ کی ناکام خاک چھان رہے ہیں۔ یہی بزرگ اودھ کے ہم ملت و مشرب وزرار کو ہدایت کرنے کھڑے ہوئے تھے کہ مشرقی پر اور ظلم کا پہاڑ توڑنا چاہیے۔ کوئی مسلمان کافر کے لئے بھی خلاف انسانیت فرمایش نہیں کرسکتا۔ ظلم جب خدا کو پسند نہیں تو مسلمان اس کی کس طرح حمایت کرسکتا ہے۔ معلوم نہیں ان لوگوں کو آخرت پر لقار رب پر جزائے اعمال پر ایمان ہے بھی یا منافقانہ ایمان ہے۔

اس کے بعد جناب مشرقی نے قول فیصل اور اشارات دو کتابیں لکھیں، جو دیکھنے ہی کے قابل ہیں۔ اور پھر عملاً خاکسار تحریک شروع کر دی۔ اُن کا مقصد جو اُن کی تصنیف اور عمل سے ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ہو تو صحابہ کی سے مسلمان بنو نبیؐ کی مدینہ والی مجاہدانہ زندگی اختیار کرو اور خلیفۂ الٰہی کا تاج جو تم سے چھن گیا ہے اُس واپس لو۔ خدا کو اور صرف خدا کو اپنا مالک اپنا مولیٰ بناؤ۔ اور اس کے فرمان یعنی اُس کے قرآن کا ہر لفظ اور نقطہ پر عمل کر کے اپنے اسلام کا ثبوت دو۔ اور پانچوں وقت نماز ادا کر کے اُس کے حضوری میں حاضری دو۔ اور سارے احکام قرآنی کی تعمیل بلا فرو گذاشت کرتے رہو۔ نہ کرنے پر کوڑے پڑتے ہیں۔ یہ خیال برابر ہے کہ ہم خدا کے عبد اور خدا کے غلام ہیں۔ اور خدا کے خاکسار ہیں۔ جو کچھ کرو اُس کے غلام بن کر اور اس کے حکم اور مرضی کے مطابق کرو۔ اور اس کے لئے تلاوت قرآن اور تدبر فی القرآن کو چاہے اصل یا ترجمہ سے ہو لازم سمجھو، ہاں نفس مزاحم ہوتا ہے پاک کو ناپاک کر دیتا ہے تو بہت ضروری اور لازمی چیز تزکیہ نفس ہے خدا کا فرمان بھی ہے ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا (خدا نے نفس کو ٹھیک بنا لیا تو اس کو فجور و تقویٰ دونوں کا الہام کیا، یہ دونوں نفس کی فطرت میں داخل ہیں۔ تو جس نے تزکیۂ نفس کیا وہ مراد کو پہنچا، اور جس نے نفس کشی کی یعنی اُس کو خاک میں ملا دیا وہ گھاٹے میں رہا۔ (تزکیۂ نفس مامور اور نفس کشی ممنوع ٹھہری)، اس لئے خاکسار ہوتے وقت معاہدہ پر دستخط لیا جاتا ہے کہ ہم خدا اور اسلام پر جان و مال سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اُس کے ساتھ فوجی قواعد سکھاتا ہے۔ کہ مجاہدانہ زندگی کیلئے پہلی چیز ہے۔ اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (اپنی قوت تیار کرو جو کچھ تمہاری قدرت اور بس میں ہو) اسلئے وہ قواعد سکھاتا ہے، پریڈ کراتا ہے، چست و چالاک اور صحیح و توانا بناتا ہے، بیلچہ اٹھواتا ہے کہ یہ غرور و شیطان کا مذبح ہے، خدمتِ خلق کراتا ہے کہ مخدوم بنا یئے اور انسانی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو مسلمانوں کے ساتھ اخوت اسلامی کا خون گرمائے اس لئے اخوت کا نشان بھی لگاؤ کہ یہ سبق بھولے نہیں۔ اوّل اوّل اصلاح نفس نرمی سے کیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ ہر اسلامی نافرمانی پر کوڑے پڑتے ہیں، افسر فوج، فوج کا امیر ہوتا ہے، فوج کے لئے افسر کی اطاعت نہایت ہی مقدم

چیز ہے۔ دیکھ لو ترکوں میں افسر کی کامل اطاعت کا بے حد جذبہ ہے۔ اسی لئے ترکوں کی فوج اپنی مثال نہیں رکھتی۔ اس نے بھی امیر کی اطاعت اشد ضروری قرار دیا ہے یہاں تک کہ جب خود مشرقی صاحب ادارہ سے باہر آتے ہیں تو خاکساروں کے ساتھ پریڈ کرتے ہیں۔ اور سالار کے ماتحت ہوتے ہیں غلطی ہو جانے پر وہ خود بھی سربازار کوڑے کھاتے ہیں۔

مولوی کا غلط مذہب اس نے لکھا وہ متعدد اپیلیں اور متعدد رسالے لکھے ہیں۔ ایمان سے خدا کے حضور میں گواہی دو کہ اس نے کیا غلط لکھا ہے ؟

اس نے اپنے عقیدے کا گویا ہر رسالہ میں اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کو وحدہٗ لاشریک اور رسولؐ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ رسالت آپ پر ختم ہو گئی۔ آخرت اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور قرآن کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر نقطہ پر کامل ایمان کا اظہار ہے۔ اور صحیح حدیثوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اے خدا یہ کہاں پرے کافر ہیں۔ اور ان کو کافر کہنے والے کہاں پرے مسلمان ہیں۔ بعض نابلد، ناعاقبت اندیش، سیاست سے ناواقف، مسلمانوں کے آئندہ مصائب سے بے خبر مولوی جن کو مولانا کہو علامہ کہو زبان بے تالو ہے، جو چاہے کہو، وہ اس عسکری تنظیم میں ہاتھ کیا بٹاتے، عملاً نہیں تو زبان ہی سے سہی ہمدردی کیا کرتے کہ الٹے غلغلہ بلند کرنے لگے کہ خاکسار تحریک مسلم لیگ کے خلاف ہے، جب فتوے سے کام نہ چلا تو حسب عادت مسلمانوں کی جماعت کو ٹولیوں میں تقسیم کر کے لڑا دینا چاہا۔ کہاں پرے دونوں کے مقاصد میں اختلاف ہے ان کا فرشتہ جانے۔ کتنے مسلم لیگی خاکسار ہیں۔ دونوں کے اعلیٰ لیڈر آپس میں ہمدردی رکھتے ہیں، اور دونوں تحریکوں کو مسلمانوں کی تنظیم اور ایک دوسرے کا معاون سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں کے عروج کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ سیاسی معاملات میں لیگ کے پاس جاؤ اور جس وقت قوت قاہرہ اور عسکری خدمت کی ضرورت ہو اور جو ضرورت آئندہ پیش آنے والی ہے اس وقت سوائے خاکساروں کے کوئی کام نہ آئیگا۔ خاکسار نہ ہوں گے تو تم اتنے دل کے دلدل میں پھنس کر تباہ ہو جاؤ گے۔ اگر مولویوں کے افترا اور بہتان سے تم نے کسی تنظیم کو توڑ ڈالا یا دکھو تمکو ہندوں کا غلام بننا پڑیگا۔ اور ڈوم چمار اور شودر کی ایک جماعت بن کے رہ جاؤ گے۔ جب تک قوت نہ ہو۔ خصوصاً عسکری قوت نہ ہو اس وقت

تک تم وکروڑ انسان مٹی کے تودے ہو۔ جو ہندوؤں کی دیوار اٹھانے میں کام آئے یا مندر اور بت بنانے میں۔
ہاں مشرقی صاحب سے ایک غلطی ہوگئی جب وہ مذہب کی پابندی، اور تزکیہ و تصفیہ اور ذکر و فکر کو کہتے بھی ہیں تو وہ ہندوانہ پگڑی باندھکر اور جبہ زیب تن کر کے خاکساروں کو مرید کرنا اور حال قال اور ڈھولک کے تال پر رقص مستانہ شروع کر دیتے اور کبھی کبھی کچھ بہکی بہکی باتیں بھی کرنے لگتے۔ اور سبحانی ما اعظم شانی اور انا الحق اور من خدا ایم من خدا۔ بھی فرماتے رہتے۔ جب قوال احمد بے میم ہو تم۔ یا عرب بے عین ہو تم، گاتا تو ذرا زور سے حق کا نعرہ لگاتے۔ تو جتنے مولوی اس وقت اُن پر معترض ہیں پہلے وہی مرید ہوتے، اور اُن کو خدا کا ہمنشیں ہی بنا چھوڑتے اور اُن کی بہکت کلامیاں سب شطحیات ہی میں شمار ہوتیں۔ اُن کی ہر ادا خدائی ہوتی اور ان کا ہر قول الہام ہوتا، مستزاد یہ کہ زندگی میں محنت اور ادائے حقوق سے نجات اور بعد مرنے کے عالیشان مقبرہ۔

اُلٹا اُس نے غضب کیا کہ تیرہ سو برس والا پُرانا خالص اسلام پیش کیا۔ اور قرآن پر عمل۔ علما ر و مشائخ زندہ یا مردہ سب سے مواجہ پھیر کر ایک خدا کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ یہ ماسوا پرستوں کو خار ہوا کہ اجعل الالہۃ الہا واحدا ان ھذا لشیٔ عجاب (یہ تو اتنے معبودوں کے بدلے ایک معبود بتاتا ہے یہ عجیب تماشا ہے)، اس سے ماسوا پرستوں کا بازار اکھڑتا ہے اُن کو یہ تنظیم ایک آنکھ نہیں بھاتی کبھی کفر کے تیر چلاتے ہیں، کبھی لیگی تنظیم اور عسکری تنظیم کو بھڑا کر دونوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، جو ان کا ہمیشہ کا کام ہے۔

چوتھی تنظیم صنعت و حرفت کی یعنی اقتصادی تنظیم ہے۔ اس کے لئے اب تک کوئی مرد میدان کھڑا نہیں ہوا، اگرچہ یہ نہایت ہی اہم اور نہایت ہی ضروری تنظیم ہے۔ مذہبی بھی، معاشرتی بھی، سیاسی بھی، پولیٹکل بھی۔ اس تنظیم کے فقدان سے مسلمان بھی عیسائی اور آریہ ہو رہے ہیں۔
کہاں ہیں علمائے کرام۔ دوسری تنظیموں کو توڑنے اور اُن پر جوتے اُچھالنے سے کیا یہ مقدم اور نہایت ضروری نہیں کہ وہ اس تنظیم کو ہاتھ میں لیں اور کچھ کر کے دکھائیں۔ اس میں بھی تو لیڈری کا تمغہ دھرا ہوا ہے۔ اور رئے دسے کے آپ کی یہی آرزو ٹھہری، وہ بھی حاصل ہو جائے گی۔ مگر ان علما سے کیا شرفی ان کا کام

تو بگاڑنے کے سوا کچھ بنانا تو ہے نہیں یوں تو خدا اپنے بندوں میں سے کسی کا فر انگریزی داں کو کھڑا کر دے تو یہ قوم کے سدھارنے کی اہم تنظیم خدا کی مدد سے انجام کو پہنچے تو پہنچے۔ مگر کوئی انگریزی داں کھڑا ہو گا تو کفر کفر کے غلغلے سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔ اس وقت اس تنظیم کو خدا کے حوالہ کر کے صبر کا ثواب لوٹنا چاہتا ہوں کیونکہ اسی بیاسی برس کا بوڑھا ہوا۔ اس دنیا کا نہیں دوسری دنیا کا آدمی ہوں۔ حق کا اعلان مقصود تھا اس سے سبکدوش ہوا کسی کو برا یا بھلا معلوم ہو تو میں بے نیاز ہوں ؎

کانٹوں میں نہ ہو اگر الجھنا　　　تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

سلیم کے نام.........چوتھا خط

(جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز)

سلیم! تم نے اس موضوع کو چھیڑ کر

اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ ہائے! ہائے!!

تمہارے سامنے تو ایک چودھری فتح خان کی لڑکی کی ہی داستانِ الم انگیز ہے اور میرے سامنے بیسیوں ایسے شریف گھرانے ہیں۔ جہاں کی لڑکیاں پچیس پچیس تیس تیس برس کی ہونے کو آئی ہیں اور ان کی شادی کا کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے کہ اپنی "ذات برادری" کا لڑکا نہیں ملتا۔ فتح خاں کی بات تو تم نے خود سن لی تھی کہ لڑکا راجپوت ذات کا تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس کی گوت ہماری گوت سے نہیں ملتی۔ کبھی تم نے سوچا بھی کہ یہ کیسا قیامت ہے! سلیم! اگر تم غور سے سمجھنے کی کوشش کرو تو قرآنِ کریم کی تعلیم کا ماحصل ان دو لفظوں میں سمجھ میں آجائے گا وحدتِ خالق و وحدتِ مخلوق" یعنی توحید باری تعالےٰ اور انسانی مساوات۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی طاغوتی قوتوں نے اسلام کی جو اس قدر مخالفت کی تھی تو وہ کس بناء پر تھی! اسی انسانی مساوات کے عقیدہ کی مخالفت پر ادھر گیا! یہودی نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کو تیار تھے۔ لیکن انہیں شکایت تھی تو یہی کہ نبی آخرالزماں صلعم حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے چاہئیں۔ نہ کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے۔ کفارِ عرب سب سے بڑی وجہ مخاصمت یہی قرار دیتے تھے کہ اس نبی (صلعم) کی تعلیم سے تو ہمارے خاندانی امتیازات خاک میں مل جاتے ہیں وہ کہتے تھے کہ اس (صلعم) کو دیکھو! دہقانوں کو بلا بلا کر اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہے غلام زادوں اور اونچے اونچے گھرانوں کے نجیب الطرفین شرفاء کو ایک ہی دسترخوان پر جمع کر لیتا ہے! ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ یہ مذہب کیا ہے جو انسان اور انسان میں حسب و نسب کی رو سے کچھ تمیز روا نہیں رکھتا۔ ابوجہل غلافِ کعبہ کو پکڑ پکڑ کر واویلا کرتا تھا تو وہ بھی یہی تھا کہ اس لڑکے (صلعم) نے تو ہمارے گھرانے کی ناک کاٹ دی۔ ہمیں کہیں کا نہ رہنے دیا۔ ہماری آبرو خاک میں ملا دی۔ ہماری آبائی شرافت کو ڈبو دیا۔

مذہب او قاطع ملک و نسب   از قریش و منکر از فضلِ عرب

در نگاہِ اویکے بالا و پست | باغلامِ خویش بریک خوان نشست
احمراں با اسوداں آمیختند | آبروئے دودمانے ریختند

اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے نقطۂ نظر سے بات بھی ٹھیک تھی۔ یہ لوگ صدیوں سے شرف و مجد کے ان امتیازات کو نسلاً بعد نسلٍ، باپ دادا سے بطور وراثت لئے چلے آرہے تھے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی تھی کہ خان شاہباز خاں کا نورِ نظر اور رحمتِ نور باف کا لڑکا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

سلیم! ذرا تصور میں لاؤ اس انقلاب کو کہ تمام عرب کے ممتاز ترین قبیلہ (قریش) کے معزز ترین گھرانہ (بنو ہاشم) کی واجب الاحترام خاتون۔ خود نبی اکرمؐ کی پھوپھی زاد بہن۔ خاندانی شرافت و امتیاز کے اعتبار سے اب اور کوئی اس سے بلند کیا ہو سکے گا۔ اس خاتونِ محترم کی شادی اپنے گھر کے غلام سے کر دی۔ اگر ابوجہل غلافِ کعبہ کو تھام کر لات و منات و جبل و عزیٰ کو نہ پکارتا تو اور کیا کرتا۔ ایک کام کرو۔ پھر یہ بات ذرا واضح طور پر سمجھ میں آجائیگی۔ رحمت، تمہارا ملازم ہے نا کس قدر شریف لڑکا ہے۔ اور ملازم بھی کا ہیکو۔ باہر کی دنیا تو یہ سمجھتی ہے کہ وہ تایا ابا کی فرم میں حصہ دار ہے۔ ذرا کسی دن آپا سے کہنا کہ کلثوم کی شادی رحمت سے کیوں نہ کر دی جائے۔ پھر دیکھنا کہ گھر میں ابوجہل کے نوحہ سے کم کہرام مچتا ہے؟ اور ابھی غلام اور ملازم میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس سے آگے بڑھو تو ذرا اس منظر کو سامنے لاؤ کہ اسلامی لشکر مدینہ سے باہر کوچ کے لئے تیار کھڑا ہے۔ اولوالعزم صحابہؓ۔ بڑے بڑے سردارانِ قریش۔ ذی وقار و سن رسیدہ انصار۔ جیشِ اسلامی میں موجود ہیں۔ سب کچھ طے ہو چکا ہے۔ شوقِ شہادت میں مجاہدین کی ولولہ انگیزی کا یہ عالم کہ گویا

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

لیکن ابھی بارگاہِ رسالتمآب صلعم سے علمِ قیادت کسی کو عطا نہیں ہوا۔ ہر امیدوار کی نگہ طلب فیصلہ کے انتظار میں مضطرب و بیقرار ہے کہ اتنے میں وہ شاہنشاہ بوریہ نشیں۔ مساواتِ انسانی کے علم سربلند کو لئے جلوہ فرمائے عسا کر ہوتے ہیں۔ ہر چشم منتظر کی آرزوئیں سمٹ کر اس کے تل میں آجاتی ہیں کہ حضورؐ مجاہدین کی صفوں کا معائنہ فرماتے ہوئے ایک غلام ابن غلام وحضرت اسامہ بن زیدؓ) کے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں اور علمِ قیادت ان کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں۔ اندازہ فرمایئے کہ لشکرِ اسلامی میں کتنے کتنے بڑے سرداران

قریش بطور سپاہی کے کام کر رہے ہیں اور ایک غلام کا بیٹا ان پر سپہ سالار مقرر کر دیا جاتا ہے تم نے جنگِ بدر کا واقعہ تو پڑھا ہوگا۔ جب اسلامی لشکر سے بعض انصارؓ میدان میں بڑھے تو صفِ مقابل سے قریشِ مکہ یہ کہکر میدان میں آنے سے رک گئے تھے کہ ہم اپنے برابر کے قریش (مہاجرین) سے لڑیں گے۔ انصار ہماری برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے یعنی خاندانی اور قبائلی تفوق کا یہ احساس کہ دوستی تو ایک طرف اپنے سے فروتر قبیلہ والوں کی دشمنی بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ کہاں عہدِ جاہلیت کا یہ تکبر و نخوت اور کہاں پھر یہ عالم کہ ایک حبشی غلام (حضرت بلالؓ) نے شادی کی خواہش ظاہر کی تو اہنی قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنی لڑکیوں کے رشتے فخریہ پیش کر دیے۔ سلیم! یہ تھی اسلام کی عدیم النظیر تعلیم اور یہ تھا اس تعلیم کا عقیدا نش عمل۔ چنانچہ یہی تعلیم اور اس تعلیم پر عمل تھا کہ جس کے متعلق نبی اکرمؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے انقلاب آفرین تحیر انگیز خطبہ میں فرمایا کہ

"آج عہدِ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر۔ عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر۔ سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب"

اِدھر سے یہ زلزلہ انگیز اعلان ہو رہا تھا اور اُدھر سے اس پر یوں مہر توثیق ثبت ہو رہی تھی کہ ہاں!

الیوم اکملت لکم دینکم۔ واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

آج (وہ) دن (آگیا) کہ تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔ اور اپنی نعمت کا تمہارے لئے اتمام کر دیا۔ اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسندیدہ قرار دیدیا گیا۔

سلیم! تم نے عہدِ جاہلیت کی تفریق و تقسیمِ انسانیت بھی دیکھ لی اور اس کے بعد اسلام کی اخوت و مساوات کے مناظر بھی دیکھے۔ اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ یہ تمہاری ذاتیں۔ اور گوتیں۔ اور برادریاں اور قومیں۔ کس عہد کی یادگار ہیں۔ ہندوستان میں تو مصیبت یہ ہوئی کہ ہمیں اسلام کی جھلک بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی یوں کہنے کو تو یہاں صدیوں تک اسلامی حکومت رہی۔ لیکن وہ حکومت "مسلمانوں" کی تھی "اسلام" کی تو نہ تھی پھر یہاں مسلمانوں میں بھی اکثریت نو مسلموں کی ہے جن کے اسلاف میں سے کوئی کلمہ پڑھکر مسلمان ہو گیا لیکن رسومات و عقائد وہی پرانے ساتھ رہے۔ تم نے فتح خاں کے باپ کو نہیں دیکھا میں نے دیکھا ہے مسلمان ہوئے تین پشت گذر گئیں

خود بھی کافی عمر تھی۔ لیکن جب کبھی چھینک آتی۔ زور سے کہتا "جے ننّدی کی" کئی مرتبہ اس سے کہا کہ بابا! "الحمد للہ" کہا کرو۔ وہ یہ سنکر مسکراتا اور کہتا کہ بیٹا! "جے ننّدی" کی نکلتے نکلے گی۔ "الحمد" آتے آئیگی۔ یہی "جے ننّدی" ہے جو آج مسلمانوں کے عقائد و اعمال و رسومات و نظریاتِ حیات۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ کے رگ وپے میں سرایت شدہ وراثتاً چلی آرہی ہے۔ اور ہم محسوس تک نہیں کرتے کہ ہم کس طرح مسلمان کہلاتے ہوئے عملی شرک میں گرفتار ہیں۔ میں نے اسی فتح خاں سے ایک دن ڈرتے ڈرتے کہا کہ "چودھری! ذرا سوچو تو سہی تم نے لڑکی پر کیا ظلم کر رکھا ہے۔ تم اپنی ناک کی فکر میں ہو غیر گوت کے لڑکے سے ناطہ نہیں کیا جا سکتا لیکن جوان بیٹی کی زندگی کا تمہیں کوئی خیال نہیں کہ وہ بچاری کس طرح غمِ پنہاں کے تپ دق سے اندر ہی اندر گھلتی جارہی ہے" تمہیں معلوم ہے۔ اس نے کیا جواب دیا۔ کہنے لگا کہ اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ میں لڑکی کے روٹی کپڑے سے نہیں مرتا۔ بڑی بات یہی ہے کہ میرے بعد اس کے بھائی اس سے اچھا سلوک نہ کریں۔ سو اس کے لئے میں بندوبست کر جاؤنگا۔ چار بیگھے زمین اس کے نام کر دونگا۔ "اسے اور کیا چاہئے"؟ سلیم! میں اُسے کیا سمجھاتا۔ داعیات فطرت کو بھی چھوڑ دو کہ یہ تذکرہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ لیکن اس کی سمجھ میں تو یہ بات بھی نہ آتی تھی کہ عورت کو "اپنے گھر" کی سوکھی روٹی ماں باپ کے گھر کے خوانِ نعمت سے زیادہ خوش آیند ہوتی ہے کہ "اپنے گھر" میں وہ اپنے آپ کو گھر کی مالکہ سمجھتی ہے۔ اور ماں باپ کے گھر میں وہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم کی محتاجِ آستان افتادہ ذلیل شمار کرتی ہے۔ وہ ہر وقت محسوس کرتی ہے کہ میں ان پر بوجھ ہوں وہ کسی چیز پر اپنا حق نہیں تصور کرتی۔ قدم قدم پر اس کے لئے شکستِ پندار کا سامنا ہوتا ہے۔ سانس سانس پر اس کی خودی اور خودداری کا آئینہ چور ہوتا ہے۔ اس کا سینہ مردہ آرزوؤں کا مدفن۔ اس کا قلب خون گشتہ تمناؤں کا مزار اور وہ خود ایک چلتا پھرتا جنازہ ہوتی ہے۔ وہ انسان نہیں انسان کا پرچھایاں ہوتی ہے کہ جس کی ہر حرکت پکار پکار کر کہہ رہی ہوتی ہے کہ

چراغِ مردہ ہوں میں بے زبان گورِ غریباں کا
خموشی میں نہاں خون گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں

یہ عفت و عصمت کے نازک آبگینے۔ ان مظلوموں میں سے اکثر کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے احساسات کی آتشِ خاموش میں اس طرح اندر ہی اندر جل کر مر جاتی ہیں کہ مغزِ استخواں تک راکھ کا ڈھیر ہو جائے

لیکن لب تک دھواں نہ آئے۔ لیکن ان میں سے جب بعض کے قدم پھسلتے ہیں تو وہ پھر اکیلی ہی بے آبروئی کے جہنم میں نہیں گرتی۔ بلکہ خاندان بھر کی عزّت و ناموس کو ساتھ لیکر تباہ ہوتی ہے۔ اور یوں ان اونچے گھرانے کے "چودھریوں" کی ناک بیچ چوراہے کے کٹتی ہے۔

سلیم! اگر تم ناکتخدا جوان لڑکیوں کے اسباب موت کی تشخیص۔ یا ایسی شریف زادیوں کے حادثات لغزش کی تحقیق کروگے تو ان کی تہ میں تمھیں اپنی نجیب الطرفین" ذاتوں اور گوتوں کے اجارہ داروں کی "یہی ناک" کارفرما نظر آئیگی۔

پھر یہ عزّت و ذلّت کی تفریق ذاتوں پر ہی نہیں پیشوں تک بھی آچکی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر ذاتیں تو بنی ہی پیشوں پر ہیں۔ کسب و ہنر۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔ کبھی ممتاز ترین جوہرِ انسانیت تھا۔ نبی اکرم صلعم نے اس بدو کے ہاتھوں کو فرطِ مسرت سے چوم لیا تھا جس پر پھاوڑے کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ لیکن آج مسلمانوں میں "دست کار" (ہاتھ سے کام کرنے والا) طبقہ سب سے ذلیل شمار ہوتا ہے۔ درزی۔ دھوبی۔ لوہار۔ نجار۔ سقہ۔ جولاہا سب "کمین" گنے جاتے ہیں۔ یہ کیوں! اس لئے کہ ویدوں کی رو سے یہ پیشہ ور برہما کے پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اور منوسمرتی کے مطابق انھیں شودر سمجھا جاتا ہے۔ کیا اس کے علاوہ مسلمان کے پاس ان دستکاروں کو ذلیل خیال کرنے کی کوئی اور دلیل بھی ہے؟ سلیم! سوچو کہ انسانیت کی یہ تقسیم کہاں سے شروع ہوئی ہے۔ اور اس کا استعمال کہاں ہو رہا ہے؟ اور اس پر پوچھئے تو ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر نہایت فخر سے کہتے ہیں کہ "الحمد للہ مسلمان ہوں"۔ میرے ایک دوست نے ایک واقعہ سنایا......

پٹھانوں کی بستی ہے وہاں ایک محلہ میں چھوٹی سی مسجد تھی۔ محلہ کے خانصاحب اس کے منتظم تھے۔ ایک شاہ صاحب (سیّد) امام رکھ چھوڑا تھا (ذرا اس پر بھی غور کیا تم نے کہ جیسے گھر میں ملازم رکھا جاتا ہے اسی طرح مسجد میں "امام" رکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ دلخراش داستان کبھی پھر سہی!) ایک دن شاہ صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت آگیا۔ خانصاحب ابھی پہنچے نہیں تھے۔ محلہ کے دو چار نمازی جمع تھے۔ ان میں سے ایک سبزی فروش حافظِ قرآن تھا۔ لوگوں نے اسے آگے کھڑا کر دیا۔ مقتدیوں میں خانصاحب کا چھوٹا سا لڑکا بھی شامل تھا۔ اتنے میں خانصاحب بھی آگئے جلدی جلدی وضو کیا۔ نمازی رکوع میں جاچکے تھے۔ لپک کر

بڑھے دیکھا کہ محراب میں شاہ جی نہیں۔ امام بخش سبزی والا ہے۔ دیکھکر آنکھیں غضب آلود ہوگئیں۔ ہاتھ غصہ سے کانپنے لگ گئے آگے بڑھکر امام صاحب کے ایک لات رسید کی اور پانچ سات گالیاں سنا کر کہا کہ ابے او کنجڑے! تجھے یہ جرأت کیسے ہوگئی کہ پٹھانوں کے بیٹے پیچھے کھڑے ہوں اور تو آگے محراب میں چلا جائے سلیمؔ! مسجد میں یہ کچھ ہو رہا تھا۔ اور آسمانوں کے فرشتے انگشت بدنداں محوِ حیرت تھے کہ یا اللہ! یہ وہی قوم ہے جس کی یہ حالت تھی کہ بلالؓ حبشی آتے تو حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ تعظیم کے لئے ایک طرف ہو جاتے کہ سیدنا بلال آرہے ہیں۔ وہ قوم کہ جس کے امیر المومنین (حضرت عمرؓ) کی سب سے آخری آرزو یہ تھی کہ اُن کے جنازہ کی نماز ایک مزدور (صہیبؓ رومی) پڑھائیں۔ آج اس قوم کی یہ حالت ہو چکی ہے۔ ممکن ہے تم کہدو کہ یہ واقعہ تو افراط و تفریط کا Extreme case ہے لیکن ذرا تم اپنے دل سے پوچھو تو سہی کہ کیا اس میں ایک موچی اور ایک سید کے لئے ایک جیسی تعظیم کا جذبہ موجود ہے؟

حالانکہ سید السادات صلعم جناب سرورِ کائنات خود اپنے ہاتھوں سے اپنے جوتے گانٹھ لیا کرتے تھے۔ سیدوں کی تو یہ حالت ہے کہ مسلمانوں نے انھیں بالکل برہمن۔ اور برہمن بھی سب سے اونچی گوت کا "گوڑ برہمن" بنا رکھا ہے۔ کسی سیدزادی کے ساتھ رشتۂ مناکحت کا تصور ایک غیر سید کے دل میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ یوں سمجھنے لگتا ہے کہ گویا اس سے کوئی عظیم الشان گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ وہ کانپتا ہے۔ لرزتا ہے گویا اس نے کسی کے دامنِ تقدس کو نگہِ معصیت آلود سے داغدار کر دیا ہو۔ سلیمؔ! سوچو کہ یہ چیزیں ہم میں کہاں سے آگئیں۔ اور آنے کے بعد اب یوں ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئیں کہ گویا یہ سب کچھ عین اسلام ہے۔

تم نے لکھا ہے کہ ہمارا "پڑھا طبقہ" اب ذات۔ برادری کی حدود و بندیوں کو اٹھاتا جا رہا ہے۔ یہ درست ہے لیکن تم نے اس مسئلہ کا بھی سطحی نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ ورنہ اگر تم ذرا سطح سے نیچے اُتر کر دیکھتے تو صورتِ حالات ایسی اطمینان بخش نظر نہ آتی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسلمان کا کوئی اجتماعی نظام موجود نہیں اس لئے اس کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ

رست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

ہمارا یہ بڑا طبقہ ذات برادری کی زنجیروں سے نکلا تو طبقاتی تقسیم کے طوق و سلاسل میں اُلجھ کر رہ گیا۔ انہوں نے ذات اور گوت کی پابندیوں کو اس لئے نہیں توڑا کہ یہ قیود خلافِ اسلام تھیں۔ بلکہ ان پابندیوں سے اس لئے آزادی حاصل کی کہ اپنی پوزیشن (Status) کے مطابق تعلقات وابستہ کرنے میں آسانی رہے حسب نسب کا معیار چھوٹا تو دولت و وجاہت کا معیار آ گیا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کا قرآنی معیار تو پھر بھی قائم نہ ہوا لہٰذا یہ تبدیلی کونسی مسرت بخش ہوئی۔ بلکہ اس سے تو ایک اور نقصان ہو گیا۔ تمھیں معلوم ہے۔ منشی نبی احمد کا لڑکا اپنے چچا کے ہاں منسوب تھا۔ اور اس کی تعلیمی اخراجات کی کفالت بھی دراصل اسی چچا نے کی تھی۔ اللہ نے کرم کیا۔ ان غریبوں کی قسمت بر آئی۔ لڑکا آئی۔سی۔ایس کے امتحان میں پاس ہو کر ڈپٹی کمشنر ہو گیا۔ اس کی منسوبہ اور اس کے چچا کی خوشی کا کیا ٹھکانہ لیکن میں نے سنا ہے کہ لڑکے نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مجھے بڑے بڑے ڈپٹیوں اور ججوں سے پیغام آ رہے ہیں میں اپنے (STATUS) کے مطابق شادی کرونگا۔ سلیم! میں تمھیں کیا کیا بتاؤں کوئی ایک کل ٹیڑھی تھوڑے ہی ہے۔ یہاں تو۔

سینہ تمام داغ داغ، پنبہ کجا کجا نہم

اور پھر یہ ذات اور گوت کا مسئلہ صرف بیاہ شادیوں تک ہی تھوڑا محدود ہے! اس کا دائرہ اثر و نفوذ حدود فراموش واقع ہوا ہے یہ "آل پنجاب مسلم راجپوت کانفرنس" یہ "جمعیت القریش" یہ "الراعی لیگ" یہ "انجمن سادات" یہ "موتمر افغانان" یہ "اعوان کانفرنس" یہ سب کیا ہیں؟ اسی امتیاز رنگ و بو کی مجمی تفسیریں "منوجی" کے خواب کی "موسلمۃ" تعبیریں۔

مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے لئے یہی تفریق و تقسیم کچھ کم نہ تھی جو کچھ عرصہ سے پنجاب میں کاشتکار و غیر کاشتکار کی تقسیم جدید شروع ہو گئی۔

پہلے ہی سے نہ تھی مری کچھ قدر و منزلت
پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی

راجپوت۔ سادات۔ اعوان۔ قریش کی تقسیم تو خیر پھر بھی مسلمانوں کے اندر ہی احاطے اور دائرے

قائم کرتی تھی۔ اس جدید تقسیم کی رو سے مسلمان کاشتکار اور غیر مسلم کاشتکار ایک طرف۔ اور مسلم غیر کاشتکار اور غیر مسلم غیر کاشتکار ایک طرف ہو گئے۔ بحضیں معلوم ہے کہ ہمارے گاؤں میں نواب کی پٹی میں مسلمان جاٹ اور ہندو جاٹ رہتے ہیں اور باغ کی طرف شیخوں کا محلہ ہے۔ پچھلے دنوں میں گاؤں گیا تو معلوم ہوا کہ کسی معاملہ میں ان شیخوں اور ہندو جاٹوں کا تنازعہ ہو گیا اور میں یہ سنکر حیران رہ گیا کہ مسلمان جاٹوں نے ہندو جاٹوں کا ساتھ دیا۔ حالانکہ وہ سراسر غلطی پر تھے۔ میں نے پوچھا تو چودھری کرم بخش نے بلا تامل جواب دیا کہ واہ صاحب! ہم جاٹوں کا ساتھ نہ دیتے تو اور کس کا دیتے۔ ہم اور وہ ایک قوم کے۔ ایک برادری کے۔ وہ بھی زمیندار۔ ہم بھی زمیندار (یعنی کاشتکار) یہ شیخ نہ ہماری ذات نہ برادری۔ یہ تو دکاندار ہیں کاشتکار نہیں ہیں۔ سلیم! میں نے سُنا تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ لو! تم تو صرف ذاتوں کی تقسیم پر ہی خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ اب انسانیت کی اس جدید تقسیم کا بھی ماتم کرو۔

سلیم! تم نے بات چھیڑ دی تو آؤ تمھیں اپنے قلب درد آگیں کے نازک ترین گوشہ میں چھپا کر رکھا ہوا ایک واقعہ بھی سنا دوں۔ وہ واقعہ کہ جس کی یاد کو میں نے اس لئے سنبھال کر رکھا ہوا ہے کہ جب ہندوستان کے مسلمانوں کے جرائم کی فہرست مرتب ہونے لگے۔ تو اسے اس فردِ جرم کی پیشانی پر جگہ دوں۔ ہمت ہے تو ذرا ضبط سے سنو۔

ایک صاحب صوبۂ ...... کے ہندو۔ سرکاری دفتر میں باعزت آسامی پر ملازم۔ خوشحال۔ صاحبِ وقار۔ لیکن ہندوؤں کی تقسیم انسانیت کے مطابق "نیچ ذات" Low caste سے متعلق میرے پاس آئے اور کہا کہ میں اسلامی مساوات و اخوت کا شیدائی ہوں۔ اور اپنے ذاتی مطالعہ کے بعد اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ میں بھی اور میرے بیوی بچے سب۔ میں نے کہا۔ بسم اللہ۔ اس میں توقف کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے صوبہ میں جو نیچ ذات کا ہندو مسلمان ہو جاتا ہے۔ وہ مسلمان ہونے پر بھی نیچ ذات کا ہی شمار ہوتا ہے۔ بڑی ذات کے مسلمان نہ اس سے معاشرتی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ نہ اخوت و مساوات کا برتاؤ روا رکھتے ہیں۔ میری سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بڑی لڑکی شادی کے

قابل ہے۔ اب تو یہ ہے۔ کہ پنچ ذات ہی سہی۔ اپنا خاندان۔ اپنی برادری تو ہے جب مسلمان ہو جاؤں گا تو ان سے قطع علائق ہو جائیگا اگر اس وقت مسلمانوں نے بھی میرے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کیا تو ڈرتا ہوں کہ اس لڑکی کے لئے موزوں بر کہاں سے ملے گا۔ سلیم! یقین مانو۔ میں یہ باتیں سن رہا تھا اور یوں سمجھ رہا تھا گویا کسی خواب کی دنیا میں ہوں اس لئے کہ یہ چیز میرے حیطۂ گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ مسلمان ایک نومسلم کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کرتے ہیں! میں نے انھیں حوصلہ دلایا اور (سادگی ملاحظہ ہو کہ) ذمّہ لے لیا کہ اس کی بابت میں انتظام کرتا ہوں۔ اور تم حیران ہو گے کہ کامل ایک برس کی تگ و دو کے بعد یہ تلخ حقیقت سامنے آگئی کہ وہ صاحب جو کچھ کہتے تھے حرف حرف صحیح تھا۔ اونچا طبقہ تو ایک طرف۔ متوسط درجے کے مسلمان بھی نہ اس سے معاشرتی تعلقات میں مساوات برتنے پر تیار تھے۔ نہ کوئی اس کے ساتھ قرابت داری کے تعلقات وابستہ کرنے پر آمادہ تھا۔ سلیم! برس دن کی مسلسل جدوجہد اور ناکام تگ و دو کے بعد اب

میں ہوں اور افسردگی آرزو۔ غالب کہ دل
دیکھکر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

میں پوچھتا ہوں کہ اور جرائم کو چھوڑ دو۔ کیا مسلمانانِ ہند کی "فردِ جرم" میں ایک یہی جرم اتنا بڑا نہیں کہ اس کی پاداش میں اللہ کا ذلّت آمیز عتاب ان پر مسلط ہو جائے۔ اور نکبت و ادبار کی گھٹائیں ان پر منڈلانے لگیں۔ اور سچ پوچھو تو جو کچھ ان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ وہ اللہ کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رکھکر اس عذاب کو دیکھنے کی کوشش ہی نہ کریں۔

سخن زنامہ و میزان دراز تر گفتی
ہزار حیف نہ بینی قیامت موجود

سلیم! سلسلۂ سخن دراز ہو گیا۔ جب تم بات ہی ایسی چھیڑ دو تو میں کیا کروں۔ مجھے تو تم جانتے ہو کہ

جرس ہوں میں۔ فغان خوابیدہ ہے میرے رگ و پے میں
یہ خاموشی میری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے

جب تم میرے بربطِ ہستی کے ایک تار کو چھیڑ دیتے ہو تو ان میں خفتہ نغمات ایک ایک کر کے سکوت آگیں فضا میں تموج پیدا کر دیتے ہیں۔ تم نے فتح خاں کی چھوٹی لڑکی کی داستانِ الم انگیز چھیڑی کہ تمہارے نزدیک اس کی مصیبت سب سے بڑی اندوہناک ہے اور اس میں شبہ بھی کیا ہے۔ لیکن اس کی بڑی لڑکی کی مصیبت تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی جو اپنی اُجڑی ہوئی کائنات کو ساتھ لئے دس سال سے باپ کے گھر میں قبرستان کے محافظ کے طرح بیٹھی ہے۔ تم چونکہ کبھی کبھی گاؤں جاتے ہو۔ اس لئے یہ چیزیں تمہاری نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ فتح خاں کی یہ بڑی لڑکی اپنے تایا رحمت خان کے ہاں بیاہی ہوئی ہے۔ اور رحمت خاں کی لڑکی فتح خاں کے بیٹے سے۔ دونوں لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں ہنسی خوشی بستی رہتی تھیں۔ دو دو تین تین بچے۔ زندگی کی کشتی ایک سکوت آفریں ندی میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔ کہ ایک دفعہ دونوں بھائیوں میں کسی معاملہ پہ تکرار ہو گئی۔ رحمت خاں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ اگر میرا بیٹا ہے تو اسی وقت اپنی بیوی کو میکے بھیج دے۔ ایک تو کہیں سے سُن رکھا تھا کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ اس پر شاید جائداد سے عاق ہونے کا ڈر۔ اپنے ہاتھوں اپنی جیتی جاگتی دُنیا گھر سے رخصت کر دی۔ بیٹی گھر میں آگئی تو فتح خاں نے اپنے بیٹے سے بھی وہی کچھ کہا۔ نتیجہ یہ کہ دوسرے ہی دن رحمت خاں کی بیٹی معہ بچوں کے اس کے گھر میں بیٹھی تھی۔ اس واقعہ کو دس برس ہونے کو آئے۔ دونوں لڑکیاں اجڑی ہوئی بیٹھی ہیں اور کسی کو خیال تک بھی نہیں آتا کہ یہ کیا قیامت ہے۔ نہ انھیں گھروں میں بساتے ہیں۔ نہ طلاق ہی دیتے ہیں اب کہو کہ میں تمہیں کس کس کی دکھ بھری کہانی سناؤں مشکل یہ کہ میں نے یہاں طلاق کا لفظ لکھ دیا ہے۔ اب تمہارا اس کے متعلق استفسار آجائیگا کہ طلاق کیا ہے۔ کن حالات میں دی جاتی ہے۔ کیسے دی جاتی ہے۔ اس کی حدود و شرائط کیا ہیں۔ لیکن خیر۔ اب تم چھٹیوں میں ملو گے تو یہ باتیں زبانی ہو جائیں گی۔ والسلام

۱۹۸۰ء کے مؤرخ کی ڈائری کا ایک ورق

كَلَّآ إِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک بھولے ہوئے سبق کی یاد دہانی ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے یاد تازہ کرے

۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء۔ آج پرانی یادداشت کے مسودات میں سے کچھ کاغذات ملے جن میں یہ لکھا تھا۔

(۱) دین جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہ جلیل کمالِ عدل و انصاف پر چل رہا ہے، صحت اور توازن سے چل رہا ہے، دھڑلے اور تمکنت سے، قوت اور زور سے چل رہا ہے۔ یہیں جو بات ہو رہی ہے تقد و نظر سے ہو رہی ہے۔ انتخاب و انتظام سے ہو رہی ہے، نظم و نسق سے اور غور و خوض سے ہو رہی ہے۔ اس کا محرک جلّ وعلیٰ وہ مالک سمیع و بصیر ہے جو ہر شئے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے، پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے، نسلِ انسانی کو دیکھ رہا ہے، اُمتوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے، بد و نیک کو، کہ و مہ کو، شاہ و گدا کو، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے! اس منظم اور مضبوط، اس لرزہ فگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بو قطعاً نہیں **ظلم** قطعاً نہیں، افراط و تفریط قطعاً نہیں، نواب کی لاولیت اصلاً نہیں! میرا یقین ہے کہ ملکوتِ جہان کی اسی اہم شئے کا علم سب انبیائے کرام کو ملا، اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر اُنھوں نے ڈنکے کی چوٹ دی۔ اُنھوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھلایا، اُنھوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی، اُنھوں نے اقوام کے مدّ و جزر کے اصول بیان کئے، حکومتِ خدا کو ظلم سے قطعاً بری ثابت کر کے دنیاوی سزا کی تعیین کی، اُخروی جزا و سزا کی تبیین کی، افراد کے طرزِ عمل کو ظاہر کیا، اُمتوں کو راہِ راست پر چلا کر صدیوں تک تمکّن اور دوام دے گئے، نافرمانوں کو ان آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے! یہی ان کا لایا ہوا **دین** تھا، اور اسی 'دین' (طرزِ عمل) پر چلنے کا خدا متمنی تھا۔

---

(۲) مقامِ نبوّت انبیا کو فطرت کے اس محکمہ کبریٰ کا علم ان کی بے مثال بصیرت کے

باعث ملا! اِس کارگاہ جہان کو بحیثیت مجموعی اور اجماعی نظر سے دیکھ کر ملا! کمالِ غور و انہماک سے ملا! وسیع نظری اور بلند بینی سے ملا! تعقّل کے بامِ بلند، اور تدبّر کے **افقِ اعلیٰ** پر چڑھ کر ملا! زمین سے کئی منزلیں بلند ہو کر بلکہ **ستاروں** کی رصدگاہوں پر پہنچ کر ملا! نہیں! **آسمان** سے اور آسمان پر بسنے والے **خدا** سے ملا! وحی اور نبوّت سے، عجز اور عشق سے، تدلّی اور تکلّم سے ملا! نبی کی نبوّت اُس کے اپنے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون برانداز شئے تھی کہ جو گروہ ان کے حلقۂ اثر میں آجاتا تھا اُن کے کہے پر یکسر عامل ہو جاتا، وہ رہنمائے جلیل اپنے گرد دِل شگاف علم اور پیہم عمل سے اپنی یقین انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدریس سے، اپنی پردہ کشا تبیین و تلقین سے قانونِ خدا اور اُس کے امن افزا نتائج کو ہر مصاحب کی نظروں میں دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دیتا، پھر عالموں کا جمِ غفیر پروانہ وار اُس کے گرد جمع ہو جاتا، اقلِ قلیل مدّت میں وہ اُمت کامیاب اور فائز المرام ہو جاتی، اور سعی و عمل کے اِس دار المحن میں آیندہ نسلوں کو مدّتوں عمل کی راہ دکھلاتی!

کیا وہ سالارِ انبیاء اور ختمِ رسل **محمد** علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھ کر رحمتِ ایزدی کا موسلا دھار مینہ روئے زمین کو ابد الآباد تک سیراب کرتا رہیگا، جس کے قانونِ بقا و فنا کی تبیین کو پا کر بر و بحر اور شمس و قمر اُس پر سلام بھیجتے رہیں گے، جس کی قوّتِ تغیر و انقلاب کا اندازہ کر کے مِس خام کو کندن بننے کی دائمی آرزو رہیگی، کیا وہ سرورِ عالم فی الحقیقت ایک گنج نشین اور کملی پوش، ایک معلّمِ اُمّی اور نا راز دان زاہد، ایک نماز گذار متوکّل، اور فاقہ کش متقی ہی تھا جس نے ایک اقلِ قلیل مدّت میں عرب کی بے نام و نشان اور جمود زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشین فوّارے اکناف عالم میں رواں کئے کہ دُنیا ہمیشہ تک اُن کے کارناموں کو سُن کر سر دھنا کرے گی!

---

(۳) **قرآن کریم** روئے زمین کے آسمانی کتب خانے میں دیکھ صرف ایک **قرآن** ہی جو سب انسانی تصرف سے محفوظ رہا ہے، اس میں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی ترتیب میں، آیتوں کے الفاظ میں، سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے

جو پیغمبر آخرالزماںؐ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری، بددیانتی، یا غرضمندی اس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اس کے ایک پرانے نسخے کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اس نے حکماً اور علماً ثابت کردیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی تھی۔ وہی نص ہے وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے!

وحی کی سچی قدر، اس پر سچا اور بے ریا یقین، اس پر مسلسل اور نتیجہ خیز عمل، اس پر کامل اور لاینفک اتحاد در حقیقت علم ہی سے ہو سکتا ہے، اور وہی صراط مستقیم صحیح معنوں میں بقا انگیز اور تقدم خیز ہے جس کے مسلمہ اصول کی تائید براہ راست **وحی** سے ہوئی۔

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانونِ خدا اور امر رب العٰلمین کی حقیقت تک بتمام و کمال پونہچنے کیلئے **قرآن حکیم** سے بہتر، **کامل تر، واضح تر** اور **صحیح تر** آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سب آسمانی صحیفے اپنے اپنے وقت نزول سے آجتک کم و بیش **لفظی** تحریف کا شکار ہو چکے ہیں، اُن میں سے اکثر کے الفاظ وحی روئے زمین سے کلیتہً ناپید ہیں، اکثر میں مرورِ وقت کے باعث ردّ و بدل وارد ہو چکا ہے حتّٰی کہ خود حاملانِ وحی کو اس حقیقت کا اعتراف ہے، لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں جتما نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے **مطالب** اور **مقاصد** میں اگرچہ بے حد **معنوی تحریف** ہو چکی ہے، اس کا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور علما کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے، اس کے معانی پر مجید شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اس کے کسی ایک امر مہم کا آلٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانان عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اس کے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اس کو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مونہوں اور لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اس کے **الفاظ** بعینہٖ اور باصلہٖ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب ان کو بدل نہیں سکتا۔ ان کی کچھ کتر بیونت نہیں کر سکتا۔ **محقّق** کے لئے اس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اس لئے ہے کہ صحف آسمانی کے اضافی مطالعے میں قرآن حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی رہنمائی صحیح منشائے خدا کی طرف سچی رہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کتب آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے

بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرسکتیں، وہاں قرآن اس امر کے متعلق اپنا **قطعی** اور **آسمانی** فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اِس وقت پائی جاتی ہیں، اور جن کا وجود اِس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے، اُن سب کا قرآن صحیح معنوں میں **مُصدِّق** بنجاتا ہے۔ اِس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہوگیا ہے تو اس مزعومہ کتاب کا اس کے اپنے عہد نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی متحقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پونہچانے کے لیے یہ گوہر نایاب ازبس بے بہا اور گرانمایہ ہے۔ طالب حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ان کے پاس کم ازکم **ایک** ایسی کتاب موجود ہے جس کو خدا کے ہاں سے براہِ راست ہونے کا اِدعا ہے، اور جو آپ ناممحرف اور بے غل وغش خالص ہے! اس کا کام اب صرف اتنا ہے کہ اس کو علم کی کسوٹی پر کما حقہ، پرکھ کر **سونا** ثابت کردے، یا اگر وہ اس محک پر پوری نہیں اُتر سکتی تو اس کا ناقص عیار ہونا علی الاعلان ثابت کرکے دنیا کو مذہب کے **فریب عظیم** سے یکسر نجات دلوادے!

یہ وہ خیالات ہیں جن کی بنا پر میں اس کتاب کو ساکنان زمین کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ مجھے یقین ہوچکا ہے کہ قرآن حکیم اپنی جامعیت اور رانعیت میں، اپنی حجت اور حکمت میں، اپنے علم وخبر میں وحید المثال کتاب ہے کہ اس کا علم انسانی دانست کے ہر ممکن معراج سے بالاتر ہے۔ سب آسمانی کتابیں قانون خدا اور دین فطرت کے صرف بعض یا اکثر حصّوں کو پیش کرتی ہیں مگر یہ نادر الوجود صحیفہ اس کو بہ تمام کمال پیش کررہا ہے۔ انسانی معاشرت اور تمدن، دنیاوی بہبت اور امن، علمی تقدم اور عمران، عملی فوقیت اور اقدام کا کوئی شعبہ نہیں جس کو حاصل اور برقرار رکھنے کے لئے اِس کے اندر مکمل اور معنی خیز اشارات نہ موجود ہوں۔ تہذیب کے ہر مرحلے میں، عمران کی ہر منزل میں، تقدم کے ہر قدم پر کتاب انسان کے لئے سچی رہنما ہے۔ اس کی انگشت زنہار لا محالہ اسی طرف اشارہ کررہی ہے جس طرف بالآخر نقصان ہے، اجتماعی ضعف ہے، مجموعی موت ہے! اس کا بےخوف وخطر حکم اسی صراط مستقیم کی طرف ہے جس پر چل کر امن ہے، خلد وبقا ہے، **نعمت** اور **عزت** ہے! اس کا اہم ترین مطمح نظر

اُمتوں کی اجتماعی حالت کی اِصلاح ہے، لیکن اسی مجموعی لبت وکشاد کے ضمن میں اِس نے افراد کی شخصی فلاح کا اٹل دستور العمل بھی پیش کر دیا ہے۔ اِس کو روئے زمین پر بھیجنے والا وہ صاحب علم وخبر وہ مالک سمع وبصر، اور وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے کہ بنی نوع انسان کے انتہائی ارتقا کو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس پہلے دیکھ رہا ہے! صدہا برس کے گذشتہ واقعات کی سند پیش کر رہا ہے، امن کے لازمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے، خوف کے مقامات سے ڈرا رہا ہے۔ الغرض جو کہہ رہا ہے قوت اور زور سے کہہ رہا ہے، یقین اور وثوق سے کہہ رہا ہے، غنا اور بے نیازی سے کہہ رہا ہے! اس کا قانون اس قدر مکمل ہے کہ نارسا نظریں اس میں عیب نکالتی ہیں، اس میں کجی دیکھتی ہیں، اس کے متعلق شکوک پیدا ہوتے ہیں مگر علم کی وسعت اور بلند بینی پھر ان شکوک کو مشکوک کر دیتی ہے! ہر شک کے متعلق نئے احوال، نئی معلومات، نئے مقام نظر آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مشکک کو بالآخر درماندہ اور سپر انداختہ کر دیتے ہیں! مقام نساء، تعدد ازدواج، ممانعت خمر، معاشری مساوات وغیرہ وغیرہ چند در چند ایسے مسئلے ہیں جن کے متعلق دنیا تمدن کے اِس مرحلے میں مشکل سے یک رائے ویک زبان ہو سکے گی، ان پر جب تک انسانی فطرت کا علم نامکمل ہے بحث کا سلسلہ جاری رہ سکے گا مگر ان مباحث دقیقہ کے متعلق قرآن کے قطعی اور حکمی فیصلے وہی ہیں جن پر دنیا کی عام رائے کا اہم ترین حصہ نامحسوس طور متفق ہو رہا ہے! وہ وہی ہیں جو تلخ تجربوں، فطری گناہ کی سزاؤں، پشتینی غفلتوں کے سم آلود نتیجوں، افراط وتفریط کے مہلک اور قاطع النسل اثرات اور ترقی علم سے اخذ ہو کر دنیا کو نئی راہوں پر لگا رہے ہیں! دنیا کشمکش و پیچ میں گرفتار ہے، صراط مستقیم کی تلاش میں یہ غلط اور وہ صحیح بار بار کہتی رہے، زید سے ہٹ کر عمرو کی طرف اور عمرو سے بکر کی طرف راجع ہو، مگر قرآنی محاکمے **ناقابلِ بدل** اس لئے ہیں کہ **بالآخر** انسانی طبیعت اُنھی کی طرف مائل ہو کر رہے گی۔ اپنی فطرت سے بجبر انسان اُنہی پر **مجبول** ہے، انہی سے ہٹ کر شکست ریخت ہے، اُنھی پر چل کر حفظ وامن ہے! جہاں افسردگی ہے اُسی کے عصیاں سے ہے، جہاں بالش ہے اُسی کو مان کر ہے۔ قرآن کا بتایا ہوا اسلام ایک **فطرت** ہے جس پر سب نسل انسانی بلا امتیاز رنگ وملک **مخلوق** ہے، اس میں کوئی تبدل اور تحوّل اصلاً اور طبعاً نہیں ہو سکتا! یہی وہ **صراط مستقیم**

ہے جس کے سوا کوئی دوسرا خطِ مستقیم بداہتہً ممکن نہیں۔ البتہ اگر لوگ اس کی تلاش میں ایک راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چل رہے ہیں تو اس کی وجہ **کمیِ علم** ہے۔ جس دن فطرت انسانی کا علم مکمل ہو جائے گا۔ صراطِ مستقیم، سورج کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے زیادہ روشن تر حقیقت ہو جائے گی اسی بنا پر قرآن نے اپنے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کے بارے میں کہا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (الروم ۳۰)۔

اس کا کمال عاطفت یہی ہے کہ اعلان کر دیا کہ یہ کتاب **مکمّل** ہے، **مفصّل** ہے، گنجینۂ **علم و حکمت** ہے، انسان سے اس کا **مثیل** پیدا ہونا محال ہے، آسان ہے، مبین ہے، اختلاف سے مبرّا ہے، صاحب علم و فکر قوم کے لئے ہے، ہدایت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے، مربوط ہے!

---

(۴) مادہ پرست یورپ کی غلطی

مغرب کے وارثانِ علم بھی آج اپنی تمام تحقیق و تدقیق کو اشیائے فطرت کے خواص اور اجسام کائنات کے حقائق کی تلاش میں وقف کر رہے ہیں، وہ اپنا سب زور اسی میں صرف کر رہے ہیں کہ **ابدان** کا صحیح علم حاصل کریں، اور اس کی وساطت سے ترقی کے بامِ رفیع پر چڑھیں۔ اُن کا علم آج فلکُ الافلاک کی بلندیوں اور تحت الثّریٰ کی گہرائیوں تک ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ **فطرت** کی وسعت اور وقت پر اشیا کی لامتناہی ممکنات اور امن افزا کیفیّات پر اُن کو یہ صبر گسل یقین ہے کہ کائنات کے ہر جزو لاتیجزّیٰ کے اندر ان کو ایک پہاڑ پوشیدہ ہونے کا امکان نظر آ رہا ہے۔ وہ اس موشگافی اور دقیقہ آرائی میں عمریں صرف کر رہے ہیں، جانیں فدا کر رہے ہیں، حیرت انگیز اضعافی قوت کی دوربینیں اور خوردبینیں، دقیقہ رس آلات اور میزانیں اِس اعجوبہ گاہ فطرت کے ہر ذرّے کو بغور تمام پرکھ رہی ہیں، لیکن خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** ان کے نزدیک کچھ لائقِ التفات نہیں، کچھ قابلِ تفتیش نہیں، کچھ مجمل اور حامل المعانی نہیں، کچھ دقّتِ نظر کے محتاج نہیں، کچھ دوربینی اور خوردبینی امتحان کے اہل نہیں! **علم الابدان** سے مغرب کو یہ انتہائی شغف ہے لیکن **علم الادیان** کی طرف یہ بے توجہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بےمثال علم اور ابدانِ عالم کے متعلق صحیح خبر کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر **دوام** ازبس مشتبہ امر ہے! وہ **علم الدین** سے کماحقہٗ بہت کم واقف ہیں، اُن کو اِس دنیا کے اندر **صراطِ مستقیم**[۱] کے ایک اہم حصّے کی کچھ خبر نہیں رہی۔ سیاست اور مادیت کے نارروا غلو نے نامعلوم طور پر یہ بات اُن کی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اِس دنیا کے اندر صلاحیت، محض جسمانی **زور** اور مادی طاقت ہی ہے، یہی کمتر مخلوق کے اخلاق کا جزوِ اعظم ہے اِسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے! وہ اس مادی زور کو بدرجۂ اتم حاصل کرنے کے لئے سب ممکن اشیائے فطرت کو کرایہ پر لے رہے ہیں۔ اور اُن کی وساطت سے زورآور بنتے ہیں لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیبِ نفس کے آسمان شکن زور کی اُن کو کچھ خبر نہیں، وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادیت کی بیجان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں۔ اور بےرحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں! اِسی غیر روحانی اور کرایہ پر لئے ہوئے زور کا اشد شدید مبلغ المانیہ کی بےمثال **جُندیت** تھی جس کا بیشتر حصّہ حال[۱] کے محاربۂ عظمیٰ میں تباہ ہوا اور اسی خواہش کا ادنیٰ مظہر انگریز کی قزاقانہ **جوع الارض** اور اُس کا تحکمانہ استیلا ہے جو آج اس کی اجتماعی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے!

الغرض جہاں نقد پسند **مغرب** صلاحیت کو جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اور سمجھنا گناہ سمجھتا ہے، اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آیند مہمان کو اس کے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر، زور کی اکڑ پر اس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے وہاں **مشرق** کا نسیہ پسند ابلہ روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہہ کر کمزوری اور جمود کی **پاکبازی** اور ہمہ فروشی سے ہی اپنے آپ کو صالح سمجھتا ہے اور اپنے ہاتھوں آپ مٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے!

میرا یقین ہے کہ سعی و سکون کے یہ دونوں مناظر **افراط و تفریط** کے مناظر ہیں، فنا و ہلاک کے مناظر ہیں، حفظ و امن کے مناظر نہیں! اس دنیا کی چار دیواری میں رہ کر کسی قوم کا سچا مذہب اس کے **دوام و بقا** کا مذہب ہی ہے اور یہی سچی **سیاست** اور سچی **صلاحیت** ہے۔ دوام کے لئے جہاں اشد شدید زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اِس زور کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی **تزکیۂ نفس**

---

[۱] جنگِ گذشتہ (سنہ ۱۹۱۴-۱۸ء)

واحد اور آخری وسیلہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کرایہ پر لئے ہوئے انسانوں یا **زر** کے منتظر مزدوروں کی ایک جماعت اِس دنیا کے اندر چند لمحوں کے لئے **زور پیدا** کر دے، اُس میں سب لازمات غلبہ و استیلا کے موجود ہوں، اُس میں جو بات ہو لاجواب او بے مثال نظر آئے، زور آوروں میں اشد غرور ہو کمزوروں میں اشد کمزوری ہو، ایک طرف کمال بہجت و انبساط ہو، دوسری طرف انتہائے عجز ہو لیکن ایسے زر خرید زور کو **دوام** قطعاً نہیں! اس میں 'صلاح' کی باطنی استقامت نہیں، اس میں بلّور کی انکسار رقّت صلادت موجود ہے، لیکن فولاد کی اندفاعی لچک قطعاً نہیں۔ ایسی بنا کی مثال ایک مکڑی کے جالے کی ہے جس کو باد تند کا ذرا سا جھونکا کالعدم کر دیتا ہے، اور بعد ازاں اُس دل آویز تعمیر کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یورپ کے تمدّن کا جزوِ اعظم یہی کمزوری اور زاد و ریغی پر مبنی ہے۔ **اقوام** کے اِس دنیا میں بقا کے لئے ضروری ہے کہ اِس کے افراد کا تخلّق حتی الوسع صانعِ فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو، اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیہ ہو، نہ یہ کہ سفلی پیدائش سے ارتقا کیا ہوا 'انسان' پھر اسی درک اسفل کی طرف لوٹ گئے! ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ تبر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اِس قدر مست ہو کہ اِس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کر سکے!

میرا یقین ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن **اعمال** خدا کے مشاہدے کو کچھ مدّت کے لئے ملتوی کر کے **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف آنا پڑے گا! اُس دن ان کی سب حیرت اور مُذبذب حالت تیقّن میں بدل جائے گی! 'صراط مستقیم' کے بارے میں اُن کے سب تشکیک رفع ہو جائیں گے! 'صلاح' کا اکثر غلط **تخیّل** درست ہو ہو کر مکمل ہو جائیگا! ان کے علم فطرت سے مستنبط کئے ہوئے اکثر معاشری اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہوگی! اُن کو انبیاء کے اِس دنیا میں **علمی** مقام کا صحیح اندازہ ہو جائے گا، اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی، صحیح روی کی آگہی اور سرکاری سند مل جائے گی۔

(۵) وحدتِ ملّت میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب اقوالی اور

اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں، سب کو علانیہ مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذاب آخرت کا قطعی مستوجب سمجھتا ہوں۔ لیکن با ایںہمہ اگر کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدتہً یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہنما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حصب جہنم بنا رہی ہے بلکہ آگے چلکر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابدالآباد تک جلتے رہنا اُسی کا حصّہ ہے!

اسلام میرے نزدیک سب اولیاء و اصفیا سے گذر کر صرف **محمدؐ** (صلعم) کی پیروی ہے، نہیں اُس کے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے، انبیاء کے لائے ہوئے طریق عمل (دین) کی پیروی ہے، قانون خدا کی پیروی ہے، آئینِ رب العٰلمین کی پیروی ہے۔ قانون **فطرت** کی پیروی ہے،

---

(۶) علم و عمل ہاں قرآن کو میں سرتاپا **علم** ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام میرے نزدیک سرتاپا **عمل** ہے، اس کی **توحید** عمل ہے، اِس کا **ایمان** عمل ہے، اُس کا **اتقا** عمل ہے، اس کی **عبادت** عمل ہے، اِس کا **صراط مستقیم** عمل ہے، اس کا شرک **بدکاری** ہے، اس کا کفر **بدنظمی** ہے، اس کا فسق **بدعملی** ہے، اِس کا **عمل** اُمّت کا اجتماعی عمل ہے، متحدہ اور متفقہ عمل ہے، ہاتھوں اور پیروں کا عمل ہے، دلوں اور جگروں کا عمل ہے، طاقت اور زور کا عمل ہے دُکھ اور تکلیف کا عمل ہے۔

---

(۷) بقائے دوام کے اصول جس قوم کے اندر توحید کے یہ سب عظیم الشان اعمال بدرجۂ اتم قائم ہیں، جس کے افراد میں **توحید فی العمل، وحدت اُمّت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف والنفس، ہجرت، استقامت فی السعی مع التوکل فی النتائج، علم، مکارم اخلاق، ایمان بالآخرت** کے دس عظیم الشان اصول عملاً اور اصالتاً موجود ہیں، اُس کا اِس دنیا میں

ہمیشہ تک بادشاہِ زمین رہنا، اجتباب زمین میں متمکن رہنا، قایم و دائم رہنا، منظورِ خدا رہنا، منعم علیہ رہنا، ایک طے شدہ امر ہے! جبتک زمین و آسماں قائم ہیں اُس اُمّت کو کسی طرف سے کوئی آسیب قطعاً نہیں پہنچ سکتا، اُس کی زندگی اِس دنیا میں قطعاً بیخوف و خطر ہے اور یوم آخرت کو الجنّۃ کی نعمت عظمیٰ کا ورث بنکر ابداً لآباد تک آرام پانا اُسی کا حصہ ہے:- وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ٥ (زمر ۳۹)۔

انہی مسودات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس شخص کو جس کی تحریر کے اقتباسات اوپر درج کئے گئے ہیں "مسلمان علماء کرام" نے کافر و بیدین قرار دیا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔

"ابوالبصیرت مورخ ہندی"

۲۰-جون ۱۹۴۰ء

ضروری اعلان

ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے مئی اور جون کے مہینوں میں نئے مطبوعات

راشٹر پتی	قیمت	۲ر	علاوہ محصول
علم الحدیث	"	۲ر	"
شخصیت پرستی	"	۲ر	"
جہانِ نو یعنی پاکستانی اسکیم قرآنی روشنی میں	"	۴ر	"

ناظم ادرہ طلوع اسلام
شمیم منزل۔ شیدی پورہ
دھلی

اسلامی معاشرت

نقش ثانی

از جناب پرویز صاحب

دیکھنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا پمفلٹ ہے لیکن افادی حیثیت سے بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہے مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کس قسم کی ہونی چاہیے۔ اس کا ماحول کیسا ہونا چاہیے۔ اس کی عادات واخلاق کا خاکہ۔ اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ اس کے تمدّن ومعاشرت کے خط وخال۔ اس تعلیم وتہذیب۔ اس کے دنیائی معاملات۔ اپنوں اور بے گانوں سے اس کے تعلّقات۔ غرض کہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز واسلوب قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔ اِس چھوٹے سے پمفلٹ میں یہ سب کچھ آگیا ہے اور اس قدر سادہ اور دل نشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور لطف یہ کہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا بلکہ ہر چیز قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی آیات میں بیان کی گئی ہے بچوں کے لیے یہ پمفلٹ بہت ہی مفید ہے۔ اسلامی مدارس میں بطور نصاب کے داخل کر لیا جائے تو طلبا کے قلب ودماغ کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر ہو جائے۔ قیمت ۴ر۔ محصول ار +

ادارۂ طلوع اسلام۔ دہلی

دسٹرڈ ایل نمبر 4240

معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) **طلوعِ اسلام** ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے۔

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع - زیادہ سے زیادہ - دس تاریخ تک دیجئے - ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو - اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلاقیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ رتاریخ سے پہلے پہلے آجانی چاہیئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہوتا ہے اس مہینہ کے پرچہ کے اندر ایک اطلاع (جوابی) کارڈ رکھ دیا جاتا ہے۔ جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آجانا چاہیے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ معہ محصول ڈاک ہے۔ اور قیمت فی پرچہ (۸/) چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ وہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی۔پی۔ طلب کرنے کے بعد اُسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلاجرم سزا دینے کے مرادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے۔ نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمایئے۔

(۹) آپ اپنا تعارف **نمبر خریداری** کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں۔ اس لیے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے۔ ورنہ ہمیں بے حد دقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا۔ کہیں نوٹ کر چھوڑیئے۔

(۱۱) "**طلوعِ اسلام**" کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ ملّتِ اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے اس لیے اس سے اشتراکِ عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں۔ واللہ المستعان

(۱۳) نمونے کے پرچے کیلئے ۲/ کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

ناظم
ادارہ طلوعِ اسلام
دہلی

Printed at the Jayyed Press, Delhi.